جنوری ۲۰۱۸ء / ربیع الثانی ۱۴۳۹ھ

”ہندوستان میں سرکاری تعلیم نے
جو نقصانات ہمارے قومی خصائل و اعمال کو پہنچائے ہیں،
ان میں سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ تحصیل علم کا مقصد اعلیٰ ہماری نظروں
سے محجوب ہو گیا ہے۔ علم خدا کی ایک پاک امانت ہے اور اس کو صرف اس لیے
ڈھونڈنا چاہیے کہ وہ علم ہے لیکن سرکاری یونیورسٹیوں نے ہم کو ایک دوسری راہ بتلائی ہے۔
وہ علم کا اس لیے شوق دلاتی ہیں کہ بِلا اس کے سرکاری نوکری نہیں مل سکتی۔ پس اب
ہندوستان میں علم کو علم کے لیے نہیں بلکہ معیشت کے لیے حاصل کیا جاتا ہے۔
یہ بڑی بڑی تعلیمی عمارتیں، جو انگریزی تعلیم کی نو آبادیاں ہیں، کس مخلوق سے بھری
ہوئی ہیں؟ مشتاقان علم اور شیفتگانِ حقیقت سے؟ نہیں، ایک مٹھی
گیہوں اور ایک پیالہ چاول کے پرستاروں سے، جن کو یقین دلایا گیا ہے
کہ بلا حصول تعلیم کے وہ اپنی غذا حاصل نہیں کر سکتے۔“

(مولانا ابو الکلام آزاد، دیباچہ ترجمان القرآن)

بدل اشتراک......فی شمارہ: 15 روپے • سالانہ: 150 روپے

پتہ

دفتر صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی ۱۴-۱۵، چونا والا کمپاؤنڈ، مقابل بیسٹ بس ڈپو، ایل. بی. ایس مارگ، کرلا ویسٹ ممبئی-۷۰

SUBAI JAMIAT AHLE HADEES, MUMBAI

14/15, Chuna Wala Compound, Opp. Best Bus Depot, L.B.S. Marg, Kurla (W), Mumbai - 70.

Phone : 022-26520077 / Fax : 022-26520066 • ahlehadeesmumbai@gmail.com

@JamiatSubai subaijamiatahlehadeesmum SubaiJamiatAhleHadeesMumbai

www.ahlehadeesmumbai.org • aljamaahmonthly@gmail.com

نگــــارشــــات

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا اتفاق ضروری نہیں ہے۔

حلقۂ قرآن

عبادت کا مستحق کون؟

محمد ایوب اثری

(يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ○ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً ۠ وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ) (بقرہ:۲۱-۲۲)

ترجمہ : اے لوگو! اپنے اس رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلے کے لوگوں کو پیدا کیا یہی تمہارا بچاؤ ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو فرش اور آسمان کو چھت بنایا اور آسمان سے پانی اتار کر اس سے پھل پیدا کر کے تمہیں روزی دی خبر دار جاننے کے باوجود اللہ کے شریک مقرر نہ کرو۔

تشریح : اس آیت کریمہ کے ذریعہ اس بات کی وضاحت کردی گئی کہ حضرت انسان اور تمام کائنات کا خالق اور ساری مخلوقات کی تمام ضروریات کو پوری کرنے والی تن تنہا اللہ رب العالمین کی ذات ہے اور اگر ہم عذاب خداوندی سے بچنا چاہتے ہیں تو اس کا بھی صرف ایک ہی راستہ اور طریقہ ہے کہ اللہ کو ایک مانا جائے اور صرف اسی کی عبادت کی جائے اور جانتے بوجھتے اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا جائے۔

قارئین کرام : اللہ کی بے شمار مخلوقات ہیں لیکن ان میں صرف دو ایسی مخلوق ہیں جو صرف اللہ کی عبادت کی مکلف ہیں جسے ہم اور آپ اور پوری دنیا انسان اور جنات کے نام سے جانتی ہے جس کی وضاحت رب کریم نے سورۂ ذاریات آیت نمبر ۵۶ یعنی (وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ) کے ذریعہ کردی ہے اسی طریقے سے جب ہم سورۂ مومن کی آیت نمبر ۶۴ کو پڑھتے ہیں جس میں اللہ کا ارشاد ہے: (اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ۭ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ښ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ) ''اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو ٹھہرنے کی جگہ اور آسمان کو چھت بنایا اور تمہاری صورتیں بنائیں اور بہت اچھی بنائیں اور تمہیں عمدہ عمدہ چیزیں کھانے کو عطا فرمائیں یہی اللہ تمہارا پروردگار ہے بہت ہی برکتوں والا اللہ ہے سارے جہان کا پرورش کرنے والا ہے''۔

اسلام میں عبادت کی اصل اور بنیاد یہ ہے کہ تم دین کو اللہ کے لئے خالص کرو اور وہ اس طرح کہ ہر قسم کی عبادت میں تم اللہ کو منفرد مانو تم اللہ سے محبت، خوف، اور امید کرتے ہوئے اپنے دل کے ساتھ اللہ کی طرف متوجہ رہو ہر عبادت کو تم اللہ کے لئے انجام دو اور تمہارے دل میں انتہائی درجہ کی تعظیم اللہ کے سوا اور کسی کے لئے نہ ہو کیونکہ حقیقی تعظیم کا مستحق صرف اللہ ہے۔ اللہ کا فضل واحسان ہے کہ اس نے ہمارے لئے مختلف قسم کی عبادتیں متعین کی ہیں مثلاً قلبی، بدنی، مالی۔

عبادت کی پہلی قسم قلبی ہے : جیسے ہمارے دلوں میں بہت ساری محبتیں یکجا ہیں لیکن ان تمام محبتوں میں اللہ کی محبت مقدم رہنی چاہیے جیسا کہ اللہ رب العزت نے سورہ بقرہ آیت نمبر ۱۶۵/ میں فرمایا ہے کہ بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ کے شریک اوروں کو ٹھہرا کر ان سے ایسی محبت رکھتے ہیں جیسی محبت اللہ سے ہونی چاہیے اور ایمان والے اللہ کی محبت میں بہت سخت ہوتے ہیں کاش کہ مشرک لوگ جانتے جبکہ اللہ کے عذاب کو دیکھ کر (جان لیں گے) کہ تمام طاقت اللہ ہی کو ہے اور اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔

عبادت کی دوسری قسم بدنی ہے : جیسے پکارو دعا اللہ رب العزت نے سورہ مومن آیت نمبر ۶۰ میں ارشاد فرمایا: (وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِيٓ أَسْتَجِبْ لَكُمْ) اور تمہارے رب کا فرمان ہے کہ مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعاؤں کو قبول کروں گا۔ اس آیت میں دعا سے اکثر مفسرین نے ''عبادت'' مراد لی ہے یعنی صرف ایک اللہ کی عبادت کرو اور حدیث میں بھی دعا کو عبادت اور عبادت کا مغز قرار دیا گیا ہے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

''الدعاء هو العبادة اور الدعاء مخ العبادة''

(مسند احمد، مشکوٰۃ) یعنی دعا عبادت ہے، اور دعا عبادت کا مغز ہے، جب قرآن وسنت کی روشنی میں اس بات کی وضاحت ہوگئی کہ دعا عبادت ہے اور عبادت کی مستحق صرف اللہ رب العالمین کی ذات ہے تو ہمیں ہر چیز کا سوال صرف اللہ ہی سے کرنا چاہیے اتنی صراحت کے باوجود بھی اگر کوئی غیر اللہ سے دعا کرتا ہے اور مانگتا ہے تو اس کے بارے میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''من مات وهو يدعوا لله ندا دخل النار'' (بخاری) جو اس حال میں مرا کہ اپنی زندگی میں اللہ کے علاوہ دوسروں کو پکارتا تھا وہ جہنم میں داخل ہوگا۔

عبادت کی تیسری قسم مالی ہے : جیسے نذرو نیاز قربانی اللہ کا ارشاد ہے: (قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ) (انعام:۱۶۲) ''آپ فرما دیجئے کہ بالیقین کہ میری نماز اور میری ساری عبادت اور میرا جینا اور مرنا یہ سب خالص اللہ ہی کا ہے جو سارے جہان کا مالک ہے'' بہت سارے لوگ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کے نام کی نذرو نیاز کرتے ہیں اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ گیارہویں کرنے سے محبت کا اظہار ہوتا ہے اور سال بھر مال ودولت اور کاروبار میں برکت ہوتی ہے جبکہ یہ شرکیہ اعمال ہیں احادیث میں اس کی صراحت کے ساتھ ساتھ حنفی مذہب کی معتبر کتاب ردالمختار مطبوعہ دارالکتب مصر ج ۲/ ص ۱۳۶ میں لکھا ہے نذرو نیاز علماء کے نزدیک بالاجماع حرام ہے اس صورت سے اولیاء کرام کا تقرب حاصل کرنا باطل ہے۔

لیکن جب معاشرے پر ایک نظر دوڑاتے ہیں تو ایسا لگتا ہے بفرمان الٰہی (وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللَّهِ إِلَّا وَهُمْ مُشْرِكُونَ) (یوسف:۱۰۶) اکثر ایمان کے دعویدار مشرک ہیں، آج لوگوں نے کتنے معبود، مشکل کشا، اولاد دینے والے، روزی دینے والے، بگڑی بنانے والے بنا رکھے ہیں جیسا کہ سورۂ یوسف آیت نمبر ۴۰ میں اللہ کا ارشاد ہے، اس کے سوا جن کی تم عبادت کر رہے ہو وہ سب نام ہی نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے گھڑ لئے ہیں اللہ نے ان کی کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی الخ۔ ان معبودوں کے جو مختلف نام تم نے تجویز کر رکھے ہیں مثلاً خواجہ غریب نواز، خواجہ بندے نواز، گنج بخش وغیرہ یہ سب تمہارے خود ساختہ ہیں صرف نام ہیں اور حقیقت میں ان کے لئے کوئی حق الوہیت وعبادت نہیں، اور سورہ حج آیت نمبر ۶۲ میں ارشاد ہے (وَأَنَّ مَا يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ هُوَ الْبَاطِلُ. الخ) اور اس کے سوا جسے بھی یہ پکارتے ہیں وہ باطل ہے اس لئے اس کا دین حق ہے اس کی عبادت حق ہے وہ اللہ عزوجل اپنی ذات میں اپنی صفات میں اور اپنے اعمال میں حق ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ تمام آیات بالا مذکورہ کا یہی مقصد ومفہوم ہے کہ اللہ کی ذات گرامی ہی خالق، رازق، اور دنیا اور اس کے رہنے والوں کی مالک ہے تو وہی اس بات کی مستحق ہے کہ صرف اور صرف اسی کی عبادت کی جائے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا جائے اسی لئے تو فرمایا ''فلا تجعلوا لله انداداً وانتم تعلمون'' اور صحیحین میں عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کی اے اللہ کے رسول ﷺ اللہ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''ان تجعل لله نداوهو خلقك'' (بخاری ومسلم) یہ کہ تم اللہ کا شریک بناؤ حالانکہ اس نے تمہیں پیدا فرمایا ہے۔

اخیر میں اللہ سے دعا ہے کہ ہم تمام مسلمانوں کو عبادت کی جتنی بھی قسمیں ہیں اسی کے لئے خاص کرتے ہوئے اسی کی عبادت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین یارب العالمین) ❖ ❖ ❖

اداریہ

شادی خانہ آبادی یا معاشرے کی بربادی

محمد مقیم فیضی

ان دنوں ہمارے شہر میں شادیوں کی دھوم مچی ہوئی ہے اور خوب دھوم دھام کی شادیاں ہورہی ہیں، مسلمانوں نے شریعت سے بے نیاز ہوکر اپنے لئے جو آزادانہ راہ عمل متعین کی ہے اس کے نمونے اعلیٰ پیمانے پر دیکھنے کو مل رہے ہیں، ان کی فکری سطح اور سوچنے کے انداز کا بھی اچھا خاصا اظہار ہورہا ہے، ان کی روش سے اس بات کا اندازہ بخوبی ہوجاتا ہے کہ ان کی زندگی میں کوئی ٹھوس لائحۂ عمل نہیں ہے، بس ہر شخص اپنی خواہشات کے پیچھے دیوانہ وار بھاگ رہا ہے، ایسا لگتا ہے جیسے وقتی رنگینیوں کے پیچھے حالات وواقعات سے فرار کی راہیں ڈھونڈی جارہی ہوں مگر وہ اس بات سے غافل ہیں کہ ان کی مصنوعی خوشیاں خود انہیں کے لئے وبال جان بن رہی ہیں، وہ خود اپنے ہی لئے الجھنیں خرید رہے ہیں، اجتماعی بے حسی اور بے فکری کی یہ لہر بہت سے معاشرتی مسائل پیدا کرتی جارہی ہے، زندگی کے اعلیٰ مقاصد کو نظر انداز کرکے سطحی کاموں میں انہماک بربادی کے نت نئے دروازے کھول رہا ہے، اس صورت حال کا سب سے افسوسناک پہلو یہ ہے کہ اس جماعت کے افراد بھی اس بے راہ روی میں پیش پیش ہیں جنھیں اس ضمن میں اپنا اعلیٰ کردار پیش کرکے ملت کے لئے اسوہ بن جانا چاہئے تھا۔

ذیل میں کچھ شواہد یا مشاہدات پیش کئے جارہے ہیں جو اس موضوع کے مختلف گوشوں کو اجاگر کرتے ہیں۔ اب وقت آگیا ہے کہ جماعت وملت کا سنجیدہ طبقہ اس سے متعلق سنگینیوں کا جائزہ لے کر اصلاح کا بیڑا اٹھائے اور ہر ہر فرد کو اس سلسلے میں اپنا کردار ادا کرنے کے لئے آمادہ کرے اور جماعت کی ضائع ہوتی ہوئی توانائیوں اور قیمتی سرمایوں کی حفاظت کا سامان کیا جائے اور فضول چیزوں میں انہیں برباد کرنے کی بجائے انہیں صحیح مقام پر لگانے کا انتظام ہوتا کہ ملت کی بہت سی انفرادی اور اجتماعی ضرورتیں پوری ہوں اور بہت سے تشنۂ عمل منصوبے پایۂ تکمیل کو پہنچیں۔

● جمعہ کی نماز پڑھ کے بیٹھا تھا کہ ایک ڈاکٹر صاحب آئے اور انھوں نے فرمایا کہ کیا آپ لوگ یہ نہیں دیکھتے کہ لوگ لڑکیوں کی شادی میں کتنی بڑی بڑی دعوتیں کرتے ہیں، کیا نبی ﷺ کے زمانے میں اس کی کوئی مثال موجود ہے؟ کیا صحابہ کرام اپنی لڑکیوں کی شادیوں میں دعوتوں کا اہتمام کیا کرتے تھے؟ پھر منگنیوں کی دعوتوں کا سلسلہ کس قدر تیزی کے ساتھ بڑھتا جارہا ہے، سوسو دودوسولوگ منگنیوں میں عام طور پر بلائے جانے لگے ہیں جن کی ضیافت کے لئے انواع واقسام کے کھانے تیار کرائے جاتے ہیں، کئی کئی آئٹم موجود ہوتے ہیں، آخر اس کا کیا جواز ہے؟ کیا یہ سب فضول خرچی اور جھوٹی شان وشوکت کے مظاہروں کے ضمن میں نہیں آتا ہے؟ آخر اس موضوع پر علماء

کرام لب کشائی کیوں نہیں کرتے، خاموش تماشائی بنے کیوں بیٹھے ہیں، کیا سبھی اہل علم مصلحت کیش ہو چکے ہیں؟ مجھے امید ہے کہ آپ اس پر ضرور روشنی ڈالیں گے۔

● اسی طرح ایک دوسری شادی کے متعلق ابھی جلد ہی سنا ہے کہ لڑکی والے نے دولھے کو چار پہیہ گاڑی کا پیسہ پہلے ہی ادا کر دیا تھا، لباس کا خرچ الگ سے دیا گیا تھا، پھر بھی بائک کا مطالبہ باقی ہی رہا تھا، دیگر فرمائشیں اس پر مستزاد تھیں مرتا کیا نہ کرتا اس نے بائک کے پیسے بھی ادا کئے، سب فرمائشیں بھی پوری کیں، اللہ اللہ کر کے بارات آئی نکاح ہو گیا، پر تکلف دعوت کا اہتمام تھا مگر مرے پہ سو درے کے مصداق سمدھی کی طرف سے پچاس آدمیوں کی نام بہ نام لسٹ پکڑا دی گئی کہ جناب یہ سب ہمارے بھائی بھتیجے اور بھانجے وغیرہ وغیرہ معزز اقارب ہیں، ان کی تکریم کے لئے بھی کچھ خصوصی انتظام ہونا چاہیے مطلب یہ کہ سب کو کچھ نہ کچھ شادیانہ بطرز عیدی بالفاظ دیگر لڑکی والا ہونے کا تاوان ادا کیا جائے، ادھر یہ صاحب بولائے بولائے پھرتے تھے کہ یارب یہ کیسی سزا ہے!

● ایسا نہیں ہے کہ اس باب میں صرف لڑکے والے ہی قصور وار ہوں بلکہ کبھی کبھی لڑکی والوں کے بھی ارمان پورے ہونے ہی میں نہیں آتے ہیں اور وہ اپنی شان وشوکت کا ایسا مظاہرہ کرتے ہیں کہ آدمی انگشت بدنداں رہ جاتا ہے، بسا اوقات لڑکی والوں ہی کی طرف سے یہ مطالبہ ہوتا ہے کہ لڑکے والوں کے باراتیوں کی تعداد کم از کم چار پانچ سو آدمیوں پر تو مشتمل ہونی ہی چاہئے ورنہ ہماری ناک کٹ جائے گی اور بڑی بدنامی ہوگی۔

● ایک دن ظہر کی نماز پڑھ کے مسجد میں بیٹھا تھا کہ موذن صاحب نے شادی کا ایک کارڈ تھما دیا کہ کوئی صاحب آپ کے لئے دے گئے تھے، کئی لوگ جمع ہو گئے اور اس کارڈ کو دیکھ کر اس کی قیمت کا اندازہ لگانے لگے، تخمینہ یہ نکلا کہ چالیس پچاس روپے سے کم کا کیا ہوگا؟ معلوم ہوا کہ کارڈ بھی اسٹیٹس بتانے کا ذریعہ ہیں اس لئے ان میں بھی خوب خوب تفنن ہوتا ہے، جو جتنا مہنگا اور نرالا کارڈ چھپوائے وہ اتنا ہی بڑا سیٹھ مانا جاتا ہے، اس لئے قیمتوں میں بھی سیٹھوں کی مالی حیثیت کے اعتبار سے اضافہ ہوتا جاتا ہے، پچاس سے لیکر پانچسو تک اور اس کے آگے پیچھے بھی کارڈ چھپوائے جاتے ہیں جو شادی کے بعد عام طور پر ڈسٹ بن اور کچرے کے ڈبوں کے حوالے کر دئے جاتے ہیں۔ ویسے اگر کارڈ چھپوانا اتنا ہی ضروری ہو تو یہ کام تین روپے سے پانچ روپے میں بھی ہو سکتا ہے، مگر ٹھہریئے اس سے تو چودھری صاحب، خان صاحب، شیخ صاحب، بلکہ حافظ صاحب اور مولانا صاحب وغیرہ وغیرہ کی بھی ناک کٹ سکتی ہے، معاذ اللہ کیا آپ چاہتے ہیں کہ ایسا ہو جائے؟

ہاں! یہ بھی سنتے چلیں کہ یہ تو سنگل کارڈ کی بات تھی یہاں کارڈ بکس بھی ہوا کرتے ہیں جن میں ہلدی مہندی کا کارڈ الگ ہوتا ہے، منگنی کا الگ، استقبالیہ کا الگ، دعوت ولیمہ کا الگ۔ ساتھ چاکلیٹ کا ڈبہ بھی ہوتا ہے، ایک چھوٹے موٹے پریس والے صاحب سے پوچھا گیا کہ ایسے ڈبوں کی قیمت کہاں تک پہنچتی ہے تو انھوں نے بتایا کہ ایک ہزار روپے تک، مگر یہ متوسط طبقے کے سیٹھوں کا معاملہ ہے کارپوریٹ گھرانے والوں کی تو پوچھیے ہی مت۔

● پڑوس میں ایک سلیقہ شعار، سگھڑ اور گھریلو مزاج کی شریف لڑکی ہے جس کے متعلق پتا چلا کہ خواتین وحضرات کی ٹولیوں پر مشتمل کئی ٹیمیں اسے دیکھنے آچکی ہیں، ان کے لئے مختلف قسم کے پکوانوں کا اہتمام کیا جاتا ہے، جہیز دینے کی حیثیت کمزور ہے، دعوتیں اڑانے کے بعد ہمیشہ مسترد کردی جاتی ہے، تکلفات میں ان غریبوں کی کافی رقم ضائع اور رائیگاں جاتی ہے، اور ان دعوتوں سے سوائے خسارے کے کچھ ہاتھ نہیں آتا، ایک ٹولی کے ساتھ خواتین کی پوری پوری جماعت دھاوا بولتی ہے، اور ان کے ہاتھوں عزت سنبھالنا مشکل ہوجاتا ہے۔

● مسجد میں کئی حضرات ایسے ملتے ہیں جو کئی سالوں سے مسلسل یہ کہہ رہے کہ صاحب ذرا دیکھئے گا میری لڑکی کے لئے کوئی مناسب رشتہ ہوتو بتایئے گا مگر لڑکے والے کب کسی سے رابطہ کرتے ہیں کہ ان کے متعلق کسی کو بتایا جائے، جہاں کسی کے یہاں کوئی لڑکا قاعدے کا ہے اس پر کئی کئی لوگوں کی نگاہیں پہلے ہی سے لگی رہتی ہیں، ایک بزرگ پنجوقتہ نمازی ہیں باجماعت نماز کا خصوصی اہتمام رکھتے ہیں سالوں کسی مناسب رشتے کی تلاش میں رہے، کئی بار ایسا ہوا کہ انھوں نے کہا مولانا صاحب خوشی کی بات ہے لگتا ہے بات بن جائے گی، لڑکی دیکھی جاچکی ہے، لوگوں نے کہا ہے کہ رشتہ ہمیں پسند ہے، ہم نے ان سے پوچھا کہ مانگ کیا ہے تو کہنے لگے نہیں صاحب بھلا ہم ایسی کوئی بات کرسکتے ہیں، ہماری کوئی ڈیمانڈ نہیں ہے، مگر بعد میں انھوں نے بتایا کہ وہ رشتہ طے نہیں ہوسکا کیونکہ لڑکے والے کہتے ہیں کہ فلاں جگہ سے رشتہ آیا تو وہ لوگ ایسی ایسی آفر دے رہے تھے مگر ہم انکار کرچکے، دوسرے صاحب کی طرف سے بھی فلاں فلاں پیشکش کی گئی تھی مگر ہم نے بات آگے نہیں بڑھائی، کہنے لگے اس لطیف انداز طلب کو ہم نے اچھی طرح سمجھ لیا تھا مگر کیا کرتے وہ سب چیزیں ہماری بساط سے بہت آگے کی تھیں، پھر ہم نے آخری کوشش کے طور پر کہا کہ صاحب ہماری لڑکی دیندار ہے صوم وصلاۃ کی پابند ہے امور خانہ داری سے پوری طرح واقف ہے اور سلیقہ شعار اور کام کاجی ہے، انھوں نے جواب دیا ہاں بھائی بات تو صحیح ہے، لڑکی ہمیں بہت پسند ہے، مگر لڑکا کہتا ہے کہ ابھی پانچ سال تک میں شادی نہیں کروں گا، کیا آپ اتنا طویل انتظار کرسکتے ہیں؟ اس طرح کئی رشتے بننے سے پہلے ہی بگڑ چکے تھے، دسیوں بار ایسا ہوا، گزشتہ سال اللہ کرکے اس لڑکی کی شادی ہوئی، مگر ابھی کئی لوگ حالات کا شکار ہیں اور اپنی اپنی لڑکیوں کے لئے مضطرب ہیں، جہیز کا عفریت نہ جانے کتنی دوشیزاؤں کی جوانیاں نگل چکا ہے۔

اس لعنت سے کم وبیش پریشان سبھی ہیں مگر اس کے باوجود اس سے دامن کش ہونے کے لئے پیش قدمی کسی طرف سے نہیں ہورہی ہے۔ عام طور پر لوگ نہ چاہتے ہوئے بھی اس عظیم بلا کو گلے لگائے بیٹھے ہیں۔ مالدار طبقہ تو خیر اس کی مار آسانی سے جھیل لے جاتا ہے، مگر سفید پوشوں اور غریبوں کا برا حال ہے۔ بس اللہ ہی اپنا رحم فرمائے۔

● مانگنے کے نت نئے طریقے ہیں، جو لوگ دیتے ہیں، وہ دوسروں سے پورا پورا وصول کرلیتے ہیں، فقیروں تک کا حال یہ ہے کہ جہیز کے نام پر چندہ جمع کرتے ہیں اور لوگ مجبوراً

انہیں دیتے بھی ہیں اور اس طرح مال جمع کر کے موٹر سائیکل اور مختلف قسم کے ساز وسامان جہیز میں دئے جاتے ہیں۔

● ایک صاحب نے ابھی کچھ ہی دنوں پہلے دعوت ولیمہ کا کارڈ بھیجا تو اس میں لکھا تھا مع دوست احباب اور فیملی تشریف لائیں، اللہ کے فضل سے ہمارے یہاں لوگ دعوتوں پر لبیک کہنے کے لئے جی جان سے آمادہ وکمر بستہ رہتے ہیں اور شادی کارڈوں کی دل کھول کر پذیرائی کرتے ہیں چنانچہ اللہ والوں نے ان کی دعوت کو کچھ زیادہ ہی خصوصی اہمیت دے ڈالی اور فوج درفوج وارد ہونے لگے اب کیا تھا گھنٹے بھر میں پورا میدان صاف ہوگیا۔ بڑے بڑے لوگ مدعو تھے، آتے تھے اور بیچارے اپنا سامنہ لے کے دعائیں دیتے چلے جاتے تھے۔

● ایسا نہیں ہے کہ سب کے یہاں یہی حال ہوتا ہے، نہیں، بہت سی شادیوں میں مثالی انتظامات ہوتے ہیں اور ایک ایک جزئیہ مدنظر رکھا جاتا ہے، ڈشوں پر ڈشیں آتی رہتی ہیں اسٹاٹروں کے انواع واقسام کے بعد مختلف قسم کے سالنوں کا دور چلتا ہے ایک سے زائد قسم کی روٹیاں اور پراٹھے ہوتے ہیں چاولوں کی ڈشوں میں بھی ایک قسم پر اکتفا نہیں کیا جاتا ہے، چکن، مٹن، جھینگا، فش، سبزیوں اور دال تک بہت کچھ ہوتا ہے پھر مٹھائیوں اور آئسکریموں کا دور آتا ہے، پانی پوری، جلیبی، فروٹ، چائے کافی سب کچھ وافر مقدار میں ہوتا ہے، دعوت بھی دو چار ہزار پانچ ہزار لوگوں کی ہوتی ہے، لوگ انگلیاں چاٹتے واپس جاتے ہیں ہر ایک زبان پر یہی ہوتا ہے کہ صاحب دعوت ہو تو ایسی ہی ہو۔

کچھ لوگ اس سلسلے میں بڑا نام کماتے ہیں مگر کچھ اسی نام کمانے کی فکر میں خوار بھی ہوجاتے ہیں اور ویسی ہی صورت پیدا ہوجاتی ہے جیسی ہم نے اوپر بیان کی اب جو لوگ اتنے اہتمام اور ارمانوں کے ساتھ آتے ہیں اگر وہ نامراد جائیں تو کیا کچھ صلواتیں اور کوسنے سننے کو نہ ملیں گے بالخصوص خواتین جو ایسی سجی سنوری آتی ہیں جیسے کسی مقابلہ حسن یا فیشن شو میں حصہ لینے جارہی ہوں جب بے نیل مرام واپس آتی ہیں تو نہ پوچھیے کہ ان کے جذبات کیا ہوتے ہیں اور کیسے کیسے پر لطف تبصرے سننے کو ملتے ہیں۔ بہر کیف کوئی نیک نام ہو کہ بدنام ہو سوال اس بات کا ہے کہ کیا یہ کوئی کار ثواب ہے کہ اس کے لئے اتنی مشقت اٹھائی جائے اور ایسا اہتمام کیا جائے۔

● اس قضیے کا ایک افسوسناک پہلو یہ بھی ہے کہ پیسے والوں کا دھوم دھڑکا دیکھ کے سفید پوشوں کے ذہن میں بھی بہت سے کیڑے کلبلانے لگتے ہیں، حسرت زدہ بیگمات اور تمناؤں میں الجھی ہوئی نیک اولاد کی جانب سے ان کی ناک کے لئے بھی کئی مسائل پیدا کردئے جاتے ہیں اور بیچارے اپنی ناک کی خیالی بلندی کی حفاظت کے لئے گھر کے قیمتی سامان بیچ کر یا دوست احباب سے قرضے لیکر پر تکلف دعوتوں کا اہتمام کرتے ہیں اور طویل مدت تک اس کا انجام بھگتتے رہتے ہیں۔

● جب اتنی بڑی دعوت ہوتی ہے تو اس کے لئے بڑے بڑے ہالوں اور میدانوں کی ضرورت بھی پیش آتی ہے، جہاں حد سے زیادہ سجاوٹ اور لائٹنگ وغیرہ کا اہتمام کیا جاتا ہے، اسٹیج کی آرائش پر خصوصی توجہ دی جاتی ہے جس میں زر کثیر خرچ

ہوتا ہے۔

● دلہنوں کی آرائش اب گھر اور پڑوس کی عورتیں بہت کم ہی کرتی ہیں اس کے لئے بیوٹی پارلر بنے ہوئے ہیں جو دوشیزاؤں کو کوئی الگ شخصیت ہی عطا کر دیتے ہیں، اللہ کی تخلیق میں تبدیلی کی مختلف صورتیں سامنے آتی ہیں اور جب کوئی لڑکی سج دھج کے نکلتی ہے تو اسے بے حجاب ہی نکلنا ہوتا ہے، نقاب نہیں لگا سکتی، وضو نہیں کرسکتی کیونکہ اس طرح اس کا میک اپ خراب ہوجائے گا، اس لئے ظاہر ہے کہ اگر وہ پابند صلاۃ ہے تو اس کی کچھ نمازیں یقیناً فوت ہوجاتی ہیں۔

● دوطرفہ لباسوں کے اتنے جوڑوں کا تبادلہ ہوتا ہے گویا آج ہی زندگی بھر کا سامان ہورہا ہے، زیورات کے سیٹ بھی حسب حیثیت کم وبیش ہوتے ہیں۔ ان لباسوں میں مختلف رشتے داروں کے لئے بھی متعدد جوڑے ہوتے ہیں۔

● ان دعوتوں میں صرف ولیمے ہی کی دعوتیں نہیں ہوتی ہیں، منگنی کی دعوت ہوتی ہے، ہلدی مہندی کی دعوت ہوتی ہے، لڑکیوں کی طرف سے استقبالیہ ہوتا ہے، تب اس کے بعد لڑکوں کی طرف سے ولیمہ ہوتا ہے، کہیں کہیں مشترکہ دعوت کا بھی اہتمام کیا جاتا ہے، اور ان میں حسب حیثیت بلکہ حیثیت سے بڑھ کر بھی اس قدر فضول خرچی اور نمود ونمائش کا مظاہرہ ہوتا ہے کہ شادیوں کے موسم میں اجتماعی طور پر قوم مسلم کروڑوں روپے ماہانہ کے حساب سے لمحاتی لذتوں کے پیچھے صرف کر ڈالتی ہے۔

● یہ تو ان لوگوں کا حال ہے جو اپنے صحیح العقیدہ اور درست مسلک پر ہونے کے دعویدار ہیں مگر جن لوگوں کے یہاں ایسا کوئی دعوی نہیں ہے، ان کے گانے باجے، قوالیوں، مجروں، مشاعروں اور آتش بازیوں پر جو مال خرچ ہوتا ہے اس کا حساب کسے معلوم ہے۔ بے حیائی اور منکرات کی کونسی شکلیں ہیں جو وہاں نہیں پائی جاتی ہیں؟

● ان تمام سطحی حرکتوں اور اوچھے اعمال کے باعث نہ جانے کتنے معاشرتی مسائل کھڑے ہوتے ہیں جن کا شمار اللہ کو معلوم ہے، اس قومی بے راہ روی کی وجہ سے جو شادیوں کے سلسلے میں روا رکھی جاتی ہے اور عام معیار بنتی جارہی ہے ملت میں کنواری بوڑھیوں کی تعداد بڑھتی جارہی ہے، طلاق کی شرح میں اضافہ ہورہا ہے، مطلقہ اور بیوہ عورتوں کی زندگی اجیرن ہے، بے حیائی اور اخلاقی خرابیوں کی شرح بڑھتی ہی جارہی ہے، مسلم لڑکیاں غیروں کے ساتھ شادیاں رچارہی ہیں، اہل توحید کی بیٹیاں مشرکوں کے ساتھ جارہی ہیں، نفسیاتی بیماریوں کے واقعات میں حیرتناک اضافہ ہورہا ہے۔ خاندانوں میں مختلف قسم کے تنازعات پیدا ہورہے ہیں جن کے نتائج بسا اوقات انتہائی سنگین برآمد ہوتے ہیں۔

● مسلمانوں میں جو لوگ جہیز لیتے دیتے ہیں وہ عام طور پر لڑکیوں کو وراثت سے محروم کردیتے ہیں جس کے نتیجے میں شدید قسم کی حق تلفی اور شرعی احکام کی خلاف ورزی ہوتی ہے، مال میں حرام کی آمیزش ہوجاتی ہے۔ اور اس مال حرام کا سلسلہ نسل درنسل چلتا رہتا ہے۔

● اس موضوع کا ایک قابل توجہ پہلو یہ بھی ہے کہ اکثر جوڑوں کو شب زفاف میں میاں بیوی کی باہمی ملاقات کے شرعی

آداب اور دعاؤں سے قطعی کوئی آگاہی نہیں ہوتی ہے نہ اس کا کوئی تصور ہی ان کے ذہن میں ہوتا ہے کہ ازدواجی زندگی کی ابتدا میں اس قسم کا بھی کوئی اہتمام ہونا چاہئے۔

● ایک طرف تو مسلم امت میں اتنے مسائل، اتنی الجھنیں، اتنی آفتیں ہیں کہ سن سن کر رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں دوسری طرف عیش کوشی اور غفلت شعاری میں افراط کا یہ عالم ہے کہ اللہ کی پناہ۔

کیا خوشی کی یہ تقریبات رسول اللہ ﷺ اور ان کے صحابہ کے زمانے میں نہیں ہوتی تھیں، کیا خیر القرون ان ضروریات سے مستثنیٰ تھا؟ آخر ان کی شادیوں میں دعوتوں کا حجم کیا ہوتا تھا؟ کتنی بڑی براتیں جاتی تھیں، عورتوں اور مردوں کا کتنا بڑا جم غفیر دعوتوں میں جمع ہوتا تھا؟ کیا اس کے متعلق احادیث اور سنت کے ذخیروں میں کوئی رہنمائی موجود نہیں ہے، یا مسلمان اب قرآن وسنت کی رہنمائی سے بے نیاز ہوچکا ہے؟ اب اسے اپنے لئے اپنا راستہ خود بنانے کی آزادی مل گئی ہے؟ اسے اللہ اور اس کے رسول کی رہنمائی کی کوئی ضرورت نہیں رہ گئی ہے۔

حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے نکاح بیاہ میں سادگی کی تعلیم دی ہے آپ نے ارشاد فرمایا: ''خیرالنکاح أیسرہ'' (صحیح ابن حبان) سب سے بہتر نکاح وہی ہے جو بالکل آسانی کے ساتھ ہوجائے۔ مگر آج نکاح دنیا کا مشکل ترین کام ہوچکا ہے۔ اسی طرح آپ کے زمانے میں شادیوں کی جو مثالیں ملتی ہیں وہ خالص گھریلو قسم کی تقریبات سے تجاوز کرتی نظر نہیں آتی ہیں کہیں سے یہ خبر نہیں لگتی کہ ان میں جشن عام کا سماں رہتا رہا ہو یا بڑی بڑی دعوتوں کا اہتمام کیا جاتا رہا ہو، یہاں تک کہ بعض بڑے بڑے نامور صحابہ کی شادیاں ہوجاتی تھیں اور رسول اللہ ﷺ کو کانوں کان خبر نہیں ہوتی تھی جبکہ ان کے نزدیک آپ سے زیادہ محبوب کوئی نہیں تھا، عشرہ مبشرہ اور حضرت عمر کی جانب سے خلافت راشدہ کے لئے نامزد چھ اراکین میں سے ایک اہم شخصیت حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ کی شادی کا واقعہ اس کی بہترین مثال ہے۔ خود نبی ﷺ اور ان کی بیٹیوں کی شادیوں کے نمونے موجود ہیں، خلفائے راشدین کی شادیوں کی مثالیں بھی کتابوں میں درج ہیں، صحابہ کرام کی شادیوں کے واقعات بھی مخفی نہیں ہیں مگر ان میں کہیں بھی ایسی شاہ خرچی کی نظیریں نہیں ملتی ہیں، بلکہ وہ سادگی کا اعلیٰ نمونہ ہوتی تھیں اور بیٹھے بیٹھے انجام پاجاتی تھیں، رشتوں کا حصول انتہائی سہل تھا، انتخاب کی بنیاد حسب نسب، دھن، دولت، یا حسن وجمال کی بجائے عام طور پر دینداری ہوتی تھی، اس لئے ان کے معاشرے میں عفت وپاکدامنی کے وسائل کبھی مفقود نہیں ہوتے تھے جبکہ آج عفت کی حفاظت اور معاشرے کی پاکیزگی ایک بہت بڑا مسئلہ بنتی جارہی ہے۔

اس خطرناک صورت حال کے خاتمے کے لئے بڑے پیمانے پر تحریک چلانے کی ضرورت ہے، بعض قوموں یا جماعتوں نے اس کے لئے اچھی مثالیں قائم کرنے کی کوششیں کی ہیں، ان سے سبق لینا چاہیے، منبر ومحراب، وسائل صحافت، تحریر وتقریر کے مختلف شعبے جب متحد ہوکر اصلاح کی بلند کریں گے تو ان شاء اللہ ضرور اس کا کچھ نہ کچھ مثبت اثر ہوکر رہے گا۔

ایمانیات

[۸]

قرآن وسنت کے نصوص میں نور وظلمات

ابوعبداللہ عنایت اللہ سنابلی مدنی

(۲۰) اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

{يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا ٱتَّقُوا ٱللَّهَ وَءَامِنُوا بِرَسُولِهِۦ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِن رَّحْمَتِهِۦ وَيَجْعَل لَّكُمْ نُورًا تَمْشُونَ بِهِۦ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۚ وَٱللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ} (الحدید:۲۸)۔

اے مومنو! اللہ سے ڈرتے رہا کرو اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اللہ تمہیں اپنی رحمت کا دوہرا حصہ دے گا اور تمہیں نور دے گا جس کی روشنی میں چلو پھرو گے اور تمہارے گناہ بھی معاف فرمادے گا، اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

تقویٰ کے سبب اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے لئے تین باتوں کی ضمانت لی ہے:

۱۔انہیں اپنی رحمت کے دو حصے عطا کرنا، ایک حصہ دنیا میں اور ایک آخرت میں، اور اللہ تعالیٰ ان کے لئے آخرت کے حصہ کو دوگنا کردے گا لہٰذا وہ دو حصہ ہوجائے گا۔

۲۔انہیں نور عطا فرمائے گا جس سے وہ تاریکیوں میں چلیں گے۔

۳۔ان کے گناہوں کی مغفرت، یہ نرمی اور آسانی کی انتہاء ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کو ہر آسانی کا سبب اور تقویٰ کے ترک کو ہر پریشانی کا سبب قرار دیا ہے (الضوء المنیر علی التفسیر من کتب ابن القیم للصالحی،۵/۶۲۴)۔

آیت کریمہ کے اس خطاب کے سلسلہ میں مفسرین کے دو اقوال ہیں:

۱۔کہا گیا ہے کہ آیت کریمہ مومنین اہل کتاب پر محمول ہے، انہیں دوہرا اجر دیا جائے گا، ایک اپنے انبیاء پر ایمان لانے کا اور دوسرا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے کا، چنانچہ انہیں اس بنا پر دوہرا اجر دیا جائے گا، جیسا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

{أُولَٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ أَجْرَهُم مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوا وَيَدْرَءُونَ بِٱلْحَسَنَةِ ٱلسَّيِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقْنَٰهُمْ يُنفِقُونَ} (القصص:۵۴)۔

یہ اپنے کئے ہوئے صبر کے بدلہ دوہرا اجر دیئے جائیں گے، یہ نیکی سے بدی کو ٹال دیتے ہیں اور ہم نے جو انہیں دے رکھا ہے اس میں سے خرچ کرتے رہتے ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اہل کتاب میں سے جو اپنے نبی پر ایمان لائے گا اور پھر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لائے گا اسے دوہرا اجر

دیا جائے گا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

"ثلاثة يؤتون أجرهم مرتين: رجل من أهل الكتاب آمن بنبيه وأدرك النبي صلى الله عليه وآله وسلم فآمن به، واتبعه وصدقه، فله أجران، وعبد مملوك أدى حق الله تعالى وحق سيده فله أجران، ورجل كانت له أمة فغذها فأحسن غذاء ها ثم أدبها فأحسن أدبها، ثم أعتقها وتزوجها فله أجران" (متفق علیه بروایت ابو موسیٰ رضی الله عنه: صحیح بخاری، کتاب الجہاد، باب فضل من اسلم من اہل الکتابین، ۴/۲۵، حدیث (۳۰۱۱)، ومسلم، کتاب الایمان، باب وجوب الایمان برسالة نبینا محمد ﷺ، ۱/۱۳۴، حدیث (۱۵۴) الفاظ صحیح مسلم ہی کے ہیں)۔

تین لوگوں کو دوہرا اجر دیا جائے گا: ایک اہل کتاب میں سے وہ شخص جو اپنے نبی پر ایمان لایا پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پا کر ان پر ایمان لایا، آپ کی اتباع اور تصدیق کی، تو اس کے لئے دوہرا اجر ہے، دوسرا وہ غلام جس نے اللہ کا اور اپنے آقا کا حق ادا کیا اس کے لئے دوہرا اجر ہے، اور تیسرا وہ شخص جس کے پاس کوئی لونڈی تھی جسے اس نے اچھی طرح کھلایا پلایا پھر اسے اچھی طرح ادب سکھایا اور پھر اسے آزاد کر کے اس سے شادی کر لی تو اس کے لئے دوہرا اجر ہے۔

۲۔ کہا گیا ہے کہ یہ آیت کریمہ اس امت کے حق میں ہے، جیسا کہ سعید بن جبر نے ذکر کیا ہے کہ اہل کتاب نے فخر کیا کہ انہیں دوہرا اجر دیا جائے گا تو اللہ تعالیٰ نے اس امت (امت محمدیہ) کے حق میں یہ آیت کریمہ نازل فرمائی (اسے امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ نے اپنی سند سے جامع البیان عن تاویل آی القرآن میں روایت کیا ہے، ۲۳/۲۰۹)۔

اس قول کی تائید نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی حضرت ابو موسیٰ کی اس روایت سے ہوتی ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"مثل المسلمين واليهود والنصارى كمثل رجل استأجر قوما يعملون له يوماً إلى الليل على أجر معلوم، فعملوا له نصف النهار، فقالوا: لا حاجة لنا إلى أجرك الذي شرطت لنا وما عملنا باطل، فقال لهم: لا تفعلوا أكملوا بقية عملكم وخذوا أجركم كاملاً، فأبوا وتركوا، واستأجر آخرين بعدهم فقال: أكملوا بقيه يومكم هذا ولكم الذي شرطت لهم من الأجر، فعملوا حتى إذا كان حين صلاة العصر قالوا: لك ما عملنا باطل، ولك الأجر الذي جعلت لنا فيه، فقال لهم: أكملوا بقية عملكم فإنما بقي من النهار شيء يسير، فأبوا، فاستأجر قوماً أن يعملوا له بقية يومهم، فعملوا بقية يومهم حتى غابت الشمس، واستكملوا أجر الفريقين كليهما، فذلك مثلهم ومثل ما قبلوا من هذا النور" (صحیح بخاری، کتاب الاجارہ، باب الاجارة من العصر الی اللیل، ۳/۶۹،

حدیث(۲۲۷۱)۔

مسلمانوں، یہودیوں اور نصاریٰ کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس نے کچھ لوگوں کو متعین مزدوری کے عوض دن بھر کے لئے کام پر رکھا، ان لوگوں نے آدھے دن تک کام کیا پھر کہنے لگے کہ ہمیں آپ کی طے کردہ مزدوری کی ضرورت نہیں اور جو کام ہم نے کیا ہے وہ باطل ہے(ہماری محنت اکارت گئی)تو اس نے ان سے کہا: ایسا نہ کرو بلکہ اپنا کام مکمل کرکے اپنی پوری مزدوری لے لو، لیکن انھوں نے انکار کیا اور کام چھوڑ دیا، اس شخص نے ان کے بعد دوسرے کچھ لوگوں کو اجرت پر رکھا اور ان سے کہا: دن کے بقیہ حصہ کا کام مکمل کرو اور تمہارے لئے وہی مزدوری ہے جو میں نے ان (پہلے مزدوروں) کے لئے طے کی تھی، چنانچہ انھوں نے کام کیا یہاں تک کہ جب عصر کا وقت ہوا تو کہنے لگے کہ ہم نے آپ کا جو کام کیا ہے وہ باطل ہے اور(ہماری محنت بیکار گئی) ہمارے لئے آپ کی طے کردہ مزدوری آپ ہی کے لئے ہے(ہمیں وہ مزدوری نہیں چاہئے) تو اس شخص نے ان سے کہا: اپنا بقیہ کام مکمل کرلو کیونکہ دن کا تھوڑا حصہ ہی باقی ہے، انھوں نے نہ مانا، چنانچہ اس شخص نے باقی ماندہ کام کے لئے دوسرے لوگوں کو اجرت پر رکھا، انھوں نے بقیہ کام کیا یہاں تک کہ سورج غروب ہوگیا اور دونوں فریقوں کی مکمل مزدوری حاصل کرلی، چنانچہ یہ ان کی اور اس نور کی مثال ہے جسے انھوں نے قبول کیا۔

علامہ سعدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اس بات کا احتمال بھی ہے کہ یہ امر عام ہو جس میں اہل کتاب اور غیر اہل کتاب سبھی شامل ہوں، بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایمان اور تقویٰ کا حکم دیا ہے جس میں ظاہر و باطن اور اصول وفروع سمیت پورا دین داخل ہے، اور یہ کہ اگر وہ اس امر عظیم کی تابعداری کریں تو اللہ انہیں ''اپنی رحمت کے دو حصے'' عطا فرمائے گا، جن کی تعداد اور کیفیت کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے، ایمان کا اجر، تقویٰ کا اجر، اوامر کی بجا آوری کا اجر، منہیات سے اجتناب کا اجر، یا یہ کہ تثنیہ(کے صیغہ سے) یکے بعد دیگرے مسلسل (اجر) دیا جانا مراد ہے''(تیسیر الکریم الرحمن فی تفسیر کلام المنان للسعدی، ص۸۴۷)۔

اور فرمان باری{ویجعل لکم نوراً تمشون بہ}۔

اس میں کئی اقوال ہیں:

۱۔ یہاں نور سے مراد''قرآن کریم'' ہے۔

۲۔اس سے مراد''ہدایت'' ہے۔

امام طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:''ان میں سے درست ترین قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے ایک نور عطا فرمانے کا وعدہ کیا ہے جس میں وہ چلیں گے، اور قرآن کریم نبی کریم ﷺ کی اتباع کے ساتھ ان لوگوں کے لئے نور اور ہدایت ہے جو ان پر ایمان لائیں اور ان کی تصدیق کریں، کیونکہ جو ان پر ایمان لائے گا ہدایت یاب ہوگا''(جامع البیان عن تاویل آی القرآن للطبری، ۲۳/ ۲۱۳)۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''یعنی ''ہدایت''، جس کے ذریعہ وہ بے بصیرتی اور جہالت کے بعد علم وبصیرت حاصل کریں گے اور اللہ انہیں بخش دے گا، چنانچہ اللہ نے انہیں نور اورمغفرت سے فضیلت عطا فرمائی ہے ---اور یہ آیت کریمہ (تفسیر القرآن العظیم، ۴/۳۱۸)اس آیت کی طرح ہے:

{يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ}(الانفال: ۲۹)۔

اے مومنو! اگر تم اللہ سے ڈرتے رہو گے تو اللہ تعالیٰ تم کو ایک فیصلہ کی چیز دے گا اور تم سے تمہارے گناہ دور کردے گا اور تم کو بخش دے گا اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔

علامہ سعدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:{ويجعل لكم نوراً تمشون به} یعنی تمہیں علم، ہدایت اور نور عطا فرمائے گا، جس کے ذریعہ تم جہالت کی تاریکیوں میں چلو گے اور تمہارے گناہوں کو معاف فرمادے گا{والله ذو الفضل العظيم} (اللہ بہت بڑے فضل والا ہے)چنانچہ فضل عظیم کے مالک (اللہ عزوجل) کے فضل پر اس ثواب کی کثرت کوئی عجب نہیں، جس کا فضل آسمانوں اور زمین کی تمام مخلوقات کو عام ہے، کوئی مخلوق اس کے فضل سے چشم زدن اور ایک لمحہ کے لئے بھی خالی نہیں ہوتی''(تيسير الكريم الرحمن فى تفسير كلام المنان للسعدی، ص۸۴۳)۔

فرمان باری{تمشون به}۔

کہا گیا ہے کہ تم اسے (نور کو) لیکر لوگوں میں چلو گے، انہیں اسلام کی دعوت دو گے (الجامع لاحكام القرآن للقرطبی، ۱۷/۲۵۶)، اور کہا گیا ہے کہ تم اسے لیکر پل صراط پر چلو گے (تفسير البغوی، ۴/۳۰۲)، امام ابن القیم رحمہ اللہ نے ان دونوں اقوال کو اکٹھا کردیا ہے، فرماتے ہیں:''اور اللہ کے فرمان{تمشون به} میں اس بات کی خبر ہے کہ ان کا تصرف اور نقل وحرکت جس سے انہیں نفع ہوگا وہ نور ہی کے ذریعہ ہوگا، اور یہ کہ ان کا نور کے بغیر چلنا ان کے لئے کوئی سودمند نہیں بلکہ اس کا نقصان فائدہ سے زیادہ ہے، اور اس بات کا بیان ہے کہ نور والے ہی چلیں گے اور جو ان کے علاوہ ہیں وہ مجبور اور ناکارے ہیں، چنانچہ ان کے دل کی کوئی حرکت ہے نہ ان کے احوال واقوال کی اور نہ ہی نیکیوں کی طرف ان کے قدم چلتے ہیں، اسی طرح جب روشنی والوں کے قدم چلیں گے تو ان کے قدم پل صراط پر چلنے سے عاجز ہوں گے، اور اللہ کے فرمان{تمشون به} میں ایک انوکھا نکتہ یہ بھی ہے کہ وہ جس طرح ان روشنیوں کے ذریعہ لوگوں کے درمیان دنیامیں چلتے تھے اسی طرح اپنی روشنیوں سے پل صراط پر بھی چلیں گے، اور جس کے پاس روشنی نہ ہوگی اسے پل صراط پر ایک قدم بھی چلنے کی طاقت نہ ہوگی، لہٰذا وہ شدید ضرورت کے باوجود چل نہ سکے گا''(اجتماع الجيوش الاسلاميه على غزو المعطلة والجهميه لابن القيم، ۲/۴۳)۔

❖ ❖ ❖

اللہ تعالیٰ عرش پر ہے ہر جگہ نہیں

محمد مقیم فیضی

علامہ زاہد کوثری صاحب کا باوا آدم نرالا ہے وہ اپنے خود ساختہ نظریات اور اصولوں کے پیچھے ہر ایک سے دامن جھاڑ لینے کے قائل ہیں، خواہ وہ اپنے ہی گھرانے کے ہوں اور کیسی ہی آن بان والے کیوں نہ ہوں۔ ادھر خود علمائے حنفیہ رحمہم اللہ کا تعامل کے متعلق ایک مفصل ومفید اور اہم کلام موجود ہے جس میں اس بات کی وضاحت پائی جاتی ہے کہ کس طرح کا تعامل حجت ہوتا ہے اور کونسا حجت نہیں بن سکتا ہے، دیکھئے: رد المختار لابن عابدین شامی: ۲/ ۸۳۸/اور روح المعانی ۱۵/ ۸/ ۱۳۸ ان میں وہ باتیں موجود ہیں جو علامہ کوثری جیسے بے لگام بولنے والوں اور بے وسرو پا باتیں کرنے والوں کے منہ میں سنگ ڈالنے جیسی ہیں۔

- یہ بھی ایک طرفہ تماشہ ہے کہ کوثری صاحب نے اپنی خرافات کی بنیاد حاکم کے مستدرک ۱/ ۰۷ ۳/میں موجود کلام پر استوار کر کے خود اپنی بھیانک رسوائی کا سامان کیا ہے، اس لئے کہ حضرت اقدس نے خود ہی حاکم پر شدید تعصب اور اختلاط کا الزام لگانے کے بعد فرمایا ہے کہ: حاکم ایک خبیث قسم کا رافضی ہے۔ دیکھئے: تانیب الکوثری: ۲۱۷۔

دیکھ لیجئے علامہ کوثری کا امانت ودیانت سے سقوط اور خیانت کا یہ ایک دوسرا رنگ ہے۔

جبکہ حق وانصاف کی بات یہ ہے حاکم نہ تو رافضی تھے نہ خبیث تھے، ہاں ان میں ایک قسم کا تشیع ضرور پایا جاتا تھا، دیکھئے: المیزان: ۳/ ۱۰۸، اور اللسان: ۵/ ۲۳۳۔

- پھر علامہ صاحب کے لئے یہ کیونکر درست ہوگیا کہ عقیدے سے متعلق ایک مسئلے میں اس قدر شدید تعصب رکھنے والے، اختلاط کا شکار خبیث رافضی سے استدلال فرمائیں اور اسے بطور حجت پیش کریں؟

- علامہ کوثری صاحب اس بات کے بھی قائل ہیں کہ مقبرہ میں نماز پڑھنا جائز ہے، اور ایسی مسجد میں بھی نماز پڑھنا جائز ہے جو کسی نیک آدمی کی قبر پر بنائی گئی ہو، اگر مقصد اس کے آثار سے تبرک اور وہاں دعا کی قبولیت ہو، اور کسی بھی طرح سے مدد طلبی کا قصد کیا گیا ہو یا یہ خیال ہو کہ اس ولی کی عبادت کے آثار میں سے کوئی اثر اس تک بھی پہنچ سکتا ہے۔ (مقالات الکوثری: ۱۵۷)

حالانکہ اسلامی تعلیمات اور ہدایات سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہے کہ ایسی قبروں کی زیارت اور مذکورہ اغراض کے لئے قبروں پر بنی ہوئی مسجدوں کی طرف سفر کرنا شرک کے اسباب میں سے ہے اسی لئے ان تمام کاموں پر روک لگادی گئی ہے۔ احادیث میں قبروں پر مسجدیں بنانے سے صاف صاف

روکا گیا ہے اور ایسا کرنے والوں پر لعنت بھیجی گئی ہے اسی طرح مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ کو چھوڑ کر باقی کسی بھی مسجد یا مزار کی طرف سفر کر کے جانے سے منع کیا گیا ہے۔

احناف کے مفتی بغداد علامہ آلوسی حنفی مفسر (۱۲۷۰ھ) فرماتے ہیں:

''**چھٹا مسئلہ :** قبروں پر بنی ہوئی مسجدوں میں نماز پڑھنے کے لئے قبروں کی زیارت کرنے، یا یہ سمجھ کر ان کے پاس دعا کرنے کہ وہاں دعا جلد قبول ہوتی ہے، یا ان سے تبرک حاصل کرنے یا انہیں عید بنانے، یا ان کی طرف سفر کر کے حج کرنے، یا ان کے پاس عبادت کرنے خواہ وہ کسی بھی طرح کی عبادت ہو، ذبح ہو، نذر ہو، اعتکاف ہو، قرآن کی تلاوت ہو، یا کچھ اور ہو ان سب کے متعلق سخت تنبیہ کی گئی ہے؛ کیونکہ یہ سارے کام وثنیت (بت پرستی) کے عظیم ترین اسباب میں سے ہیں''۔ (روح المعانی: ۶/۷ ۲۳-۲۴۰)

● علامہ زاہد کوثری صاحب کے نزدیک قبروں پر چراغاں کرنا اور شمعیں جلانا بھی جائز ہے کیونکہ اس سے مقصود میت کے روح منور کی تعظیم ہوتی ہے جو اپنے جسم کی مٹی کو ایسے روشن کئے رکھتی ہے جیسے آفتاب زمین کو چمکائے رکھتا ہے۔

تاکہ لوگوں کو یہ پتہ چلتا رہے کہ اس قبر کے ساکن ولی ہیں اور وہ ان سے تبرک حاصل کریں، ان کے پاس دعائیں مانگیں اور ان کی دعائیں قبول ہوتی رہیں، یہ ایک جائز کام ہے، اس میں کوئی ممانعت نہیں ہے، اور سب اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہوتا ہے۔ (مقالات الکوثری: ۱۵۸ منقول از عبدالغنی نابلسی صوفی خرافی حنفی)

برادران اسلام ! ذرا غور فرمائیے کہ ماتریدی احناف کے یہ بدعت نواز علامہ صاحب اپنی خرافات کو کس جرأت کے ساتھ فروغ دیتے ہیں اور علی الاعلان بلا کسی ضمیر اور حیاء کے مجوسی وثنیت کی طرف بلاتے ہیں۔

● علامہ صاحب کا فرمانا یہ بھی ہے کہ نبی ﷺ برزخ میں لوگوں کی شفارس فرماتے ہیں اور انہیں سائل کے سوال کا علم ہوتا ہے۔

پھر کوثری صاحب نے اہل علم کے دلائل کی بجائے عوامی دلائل یعنی خوابوں کو بطور حجت پیش فرمایا ہے۔ (مقالات الکوثری: ۳۷۳)

● دیوبندیوں کے حضرت اقدس اس بات کے بھی قائل ہیں کہ نبی ﷺ کو سارے غیب کا تو نہیں البتہ لوح وقلم کا پورا علم تھا، اسی طرح ان کے پاس سارا علم نہیں تھا فقط ان باتوں کا علم تھا جو لوح محفوظ میں پائی جاتی ہیں۔ (مقالات الکوثری: ۳۷۳)

اب بتائیے ! کیا یہ حقیقت پوری طرح واضح نہیں ہوگئی کہ دراصل کوثری اور کوثریت خالص بریلویت ہی سے عبارت ہیں؟

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اس عالم اور اس کے بعد کی کائنات کی تمام حرکتیں لوح محفوظ میں ثبت ہیں۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے : (وَكُلُّ صَغِيرٍ وَكَبِيرٍ مُسْتَطَرٌ) (القمر: ۵۳) (اسی طرح) ہر چھوٹی بڑی بات بھی لکھی ہوئی ہے۔

اور اسی میں وہ امور خمسہ (پانچوں امور) بھی ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے صاف صاف کہہ دیا ہے کہ اس کے سوا کوئی ان کے متعلق نہیں جانتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ عِندَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ ۖ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ۖ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ﴾ (لقمان:۳۴) ''بے شک اللہ تعالیٰ ہی کے پاس قیامت کا علم ہے وہی بارش نازل فرماتا ہے اور ماں کے پیٹ میں جو ہے اسے جانتا ہے۔ کوئی (بھی) نہیں جانتا کہ کل کیا (کچھ) کرے گا؟ نہ کسی کو یہ معلوم ہے کہ کس زمین میں مرے گا۔ (یادرکھو) اللہ تعالیٰ ہی پورے علم والا اور صحیح خبروں والا ہے''۔

● یہ بھی ایک روشن حقیقت ہے کہ کوثری صاحب اور حاملین کوثریت سب کے سب خالص مشبھہ ہیں (یعنی اللہ تعالیٰ کو مخلوق کے ساتھ تشبیہ دینے والے)

مگر ایک خاص وجہ سے بلکہ دو وجوہات سے :

(۱) پہلی وجہ تو یہ ہے کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کی بہت سی صفات کو معطل کر دیا ہے، اور ان کے متعلق نصوص کہ ایسی تحریف کی ہے کہ اس کے ذریعہ انھوں نے صفات نقص میں اللہ تعالیٰ کو گونگے انسانوں، بے زبان جانوروں اور خاموش جمادات سے تشبیہ دے ڈالی ہے بلکہ اسے معدومات اور ممتنعات کے مشابہ ٹھہرا دیا ہے۔

ذرا غور فرمایئے ! ماتریدیہ اس بات کے قائل ہیں کہ ''اللہ تعالیٰ نہ عالم کے اندر ہے نہ باہر ہے، نہ عالم سے متصل ہے، نہ اس سے منفصل ہے، نہ عالم کے اوپر ہے نہ اس کے نیچے ہے، نہ دائیں ہے نہ بائیں ہے، نہ پیچھے ہے نہ آگے ہے''۔

یہ قول منقول صحیح کی مخالفت، معقول صریح سے مکابرہ اور فطرت واجماع سے خروج کے ساتھ ساتھ اس بات کو بھی مستلزم ہے کہ اللہ تعالیٰ معدوم بلکہ ممتنع ہے، یہ حقیقت بلیغ ترین عبارت کے ساتھ بالکل صریح ہے؛ کیونکہ جو چیز نہ تو عالم کے اندر ہوگی نہ باہر، نہ اس کے اوپر ہوگی نہ نیچے، نہ اس کے دائیں ہوگی نہ بائیں، نہ اس کے آگے ہوگی نہ پیچھے تو وہ یقیناً معدوم ہی ہوگی بلکہ بلاشک وشبہ ممتنع ہوگی، عقل صحیح اور فطرت سلیمہ دونوں اسی بات کی شہادت دیتے ہیں۔

● بلکہ خود ماتریدیہ اور اشاعرہ کو اس مضحکہ خیز بات کے متعلق احساس ہوا کہ جس چیز کی یہ صفت ہوگی اس کا تصور ہی دشوار ہے۔

اسی لئے ایجی اشعری (۷۵۶ھ) اور جرجانی ماتریدی حنفی (۸۱۶ھ) نے کہا اور الفاظ انہیں حنفی صاحب کے ہیں کہ: ممکن ہے کسی ایسے موجود کا تصور جس کا اصلا کوئی حیز (وہ جگہ جو جسم کو گھیر لیتی ہے) نہ ہو اپنے افراد کے درمیان مشترک انسان کلی ① اور اس کے متعلق ہمارے علم کی مدد سے کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ وہ دونوں موجود ہیں اور قطعی متحیز نہیں ہیں۔ (دیکھئے: مواقف: ۲/۲۷۲، اور اس کی شرح: ۸/۲۲)

① (وہ مفہوم جس کے افراد بہت سے ہو سکتے ہوں خواہ بروقت پائے جائیں یا نہ پائے جائیں)

برادران اسلام ! دیکھ لیجئے انھوں نے کیسے حق کا اعتراف کر لیا گو الجھے ہوئے اسلوب ہی میں سہی اور یہ مان لیا کہ جس چیز کی یہ صفت ہو وہ عقل میں نہیں آسکتی ہے بلکہ ہو سکتا ہے کہ اس کا تصور انسان کلی کی مدد سے کر لیا جائے؟

مگر اس کے باوجود تسلیم حق پر آمادہ نہیں ہیں۔

پھر بھی ان کا یہ اعتراف اس بات کی سب سے بڑی دلیل اور

حجت قاطعہ ہے کہ ان کا یہ قول کہ: ''اللہ تعالیٰ نہ تو عالم کے اندر ہے نہ باہر، نہ اوپر ہے نہ نیچے ہے....''۔ اس بابت صریح ہے کہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ کا کوئی وجود نہیں ہے بلکہ وہ ممتنع ہے؛ کیونکہ انسان کلی کا وجود محض ایک ذہنی چیز ہے خارج میں اس کا کوئی وجود نہیں ہے حتی کہ ماتریدیہ نے بالعموم اور کوثری نے بالخصوص اس کا اعتراف کیا ہے۔ (دیکھئے: شرح المواقف: ۸/۲۲، تعریفات الجرجاني ۲۳۹، شرح الفقه الاكبر:۶۲، تبديد الظلام لكوثرى: ۶۳، اور شرح التهذيب:۵۹-۶۰ بحواله الماتريدية للأفغانى ۲/۵۵۴-۵۵۳)

● اب یہ بات صاف ہوگئی کہ انسان کلی کا وجود خارج میں بلاریب ممتنع ہے، اس لئے جب اللہ تعالیٰ کا وجود انسان کلی کے وجود کی طرح ہوگا تو اس کا وجود محض ذہنی ہی ہوگا اور خارج میں اس کا وجود ممتنع ہوگا۔

● حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ عدم محض کی عبادت کرتے ہیں، جیسا کہ ائمہ سنت نے فرمایا کہ: "المعطل يعبد عدما، والممثل يعبد صنما، والمعطل اعمىٰ، والممثل اعشىٰ، ودين الله بين الغالى فيه والجافي عنه"

(یعنی معطل صفات الٰہی کی تعطیل کرنے والا) عدم کی عبادت کرتا ہے، جبکہ ممثل (اللہ تعالیٰ کی مثال مخلوق سے دینے والا) صنم کی عبادت کرتا ہے، معطل اندھا ہے اور ممثل ضعیف البصر (کمزور بینائی والا) ہے، اور اللہ کا دین مذہبی غلو کرنے والے اور دینی کوتاہی کرنے والے کے درمیان (اعتدال والا) ہے۔

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ مشبہہ معطلہ سے بہتر ہوتے ہیں، اور معطل اس لئے مشبہ (تشبیہ دینے والے) سے بدتر ہوتا ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کو معدومات وممتنعات سے تشبیہ دیتا ہے۔ اور اس طرح وہ بیک وقت تعطیل وتشبیہ دونوں میں مبتلا ہوتا ہے۔

(اس موضوع کی تحقیق کے لئے دیکھئے: الصواعق المرسلة ۱/۲۶۳-۲۶۵، ۴/۱۲۳۴-۱۲۳۵، اور دیکھئے: التدمرية: ۳۰،۸۰ اور مجموع الفتاوى:۱۶/۳،۴۹، اور درء التعارض: ۱۳۶/۶-۱۳۷، ۲۶۰/۷بحواله الماتريدية للافغاني ۲/۵۵۵)

● اور تشبیہ محض کا قول تعطیل کے مقابلے میں ہلکا ہے، اور خود ان کے اعتراف کے مطابق تعطیل کا ضرر تشبیہ سے بڑا ہے۔

● اور قرامطہ باطنیہ نے ابن سینا اور ان کے امثال کی زبان پر، اشاعرہ نے غزالی و رازی اور ان کے امثال کی زبانی، اور ماتریدیہ نے تفتازانی اور بیاضی اور ان کے امثال کی زبانی اس بات کی تصریح کی ہے کہ کتب سماویہ اور رسولوں کی جماعت اگر جمہور کے سامنے اس بات کی صراحت کردیتی کہ اللہ تعالیٰ نہ عالم کے اندر ہے نہ باہر ہے، نہ اس سے متصل ہے نہ منفصل ہے، نہ اوپر ہے۔

تو وہ فوری طور پر اس کا انکار کردیتے ہیں اور کہتے کہ وہ تو بس ایک معدوم ہی ہوسکتا ہے (جس کا یہ وصف ہو)۔ (دیکھئے: شرح المقاصد ۲/۵۰ اور اشارات المرام:۱۹۸/وغیرہ)

● اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ جس رب کی تعریف ماتریدیہ یوں کرتے ہیں کہ نہ وہ اوپر ہے نہ نیچے ہے، نہ کسی چیز کے اندر ہے نہ باہر ہے وہ واجب الوجود تو کجا بس ممتنع الوجود ہی ہوسکتا ہے۔

اسی لئے تمام کتب سماویہ اور اللہ تعالیٰ کے سارے رسول یہی

تعلیم عام کرتے رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عالم کے اوپر ہے، اس بات پر نقل صحیح، عقل صریح اور فطرت سلیمہ سب ایک دوسرے کی موافقت کرتے ہیں۔

اور ان سب کی دلالت یہی ہے کہ یہ ماتریدیہ اپنے اس قول سے اللہ سبحانہ کے وجود کو باطل ومعدوم کردینے والے بلکہ لاشعوری طور پر ممتنع ٹھہرادینے والے ہیں۔

● اسی سنگینی کو محسوس کرتے ہوئے متعدد ائمہ سنت اور ائمہ کلام نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علو (بلند ہونے) کی نفی اس بات کو مستلزم ہے کہ وہ معدوم بلکہ ممتنع ہو۔

ذیل میں ان میں سے کچھ بزرگوں کے کلام کے نمونے پیش کئے جارہے ہیں، مقصد یہی ہے کہ ہماری باتیں مبرہن اور روشن دلائل وحجج سے مزین ہوجائیں، اور ماتریدیہ کے لئے سامان عبرت بنیں، ان پر حجت تمام ہو، ان کی پشت دیوار سے لگے، ان کے اعذار کا خاتمہ ہو اور ان کے اعتراضات اور مخالفتوں کی سرکوبی ہو :

۱۔ احناف کے ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ میں سے ایک بزرگ امام محمد بن حسن شیبانی صاحب (۱۸۹ھ) ہیں، انھوں نے صاف صاف یہ بات کہی ہے کہ جہمیہ نے اللہ تعالیٰ کو لاشئ سے موصوف کیا ہے۔ (یعنی اس کی صفت میں یہ کہا ہے کہ وہ کچھ بھی نہیں ہے) (شرح اصول الاعتقاد للالکائی: ۴۳۲/۳-۴۳۳، اثبات العلو لابن قدامہ :۱۱۷، فتح الباری لابن حجر ۴۰۷/۱۳۔ کوثری نے بلوغ الامانی ۵۳-۵۴ اور تعلیقات الکوثری علی الاسماء والصفات: ۳۱۴ پر بھی اسے نقل کیا ہے دیکھئے الماتريديه للأفغاني ۹۹/۲)

۲۔ امام اہل سنت احمد بن حنبل (۲۴۱ھ) :

جہمیہ کا عقیدہ اور ان کی سلبی تعریفات کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

''ان باتوں سے لوگوں پر یہ واضح ہوگیا کہ یہ حضرات کسی چیز پر بھی ایمان نہیں رکھتے ہیں'' (الرد علی الجهمية: ۱۰۵-۱۰۶، اور شیخ الاسلام نے اسے بیان تلبیس الجهمية: ۳۱۵/۱-۳۱۶ میں نقل فرمایا ہے)۔

۳۔ امام عبدالعزیز بن یحییٰ بن مسلم کنانی مکی (۲۴۰ھ) صاحب کتاب ''الحیدۃ'' جہمیہ کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

[ایک جہمی نے] کہا: میں کہتا ہوں : اللہ ہر جگہ ہے، مگر ایسے نہیں جیسے کوئی چیز کسی چیز میں ہوتی ہے، اور نہ ایسے جیسے کوئی چیز کسی چیز کے اوپر ہوتی ہے، اور نہ کسی ایسی چیز کی طرح جو کسی چیز سے خارج ہوتی ہے، اور نہ کسی چیز سے جدا ہوتی ہے۔

[کنانی نے] فرمایا:

تم نے تو قیاس ومعقول سے اس بات پر دلیل قائم کردی ہے کہ تم کسی چیز کی عبادت نہیں کرتے ہو،

کیونکہ اگر وہ کوئی ایسی ہستی ہوتا جو قیاس اور معقول میں داخل ہوتا تو وہ یوں ہی ہوتا کہ وہ کسی چیز میں داخل ہوتا یا اس چیز سے خارج ہوتا، قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تم نے تو ایک ایسی ملتبس چیز کا ذکر کیا ہے جس کا کوئی وجود ہی نہیں ہے اور یہی تمہارا دین ہے، اور تمہارے عقیدے کی اصل تعطیل ہے''۔ (درء التعارض:

۱۱۸/۶-۱۱۹، مجموع الفتاوی: ۳۱۷/۵، ۲۹۵، اور بیان تلبیس الجهمية: ۹۱، بحواله كتاب الرد على الزنا دقة والجهمية للكناني)

● شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کنانی صاحب کے اس کلام پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''یہ عبدالعزیز صاحب ہیں جو اس بات کی وضاحت فرما رہے ہیں کہ قیاس ومعقول اس بات کو واجب ٹھہراتے ہیں کہ جو ایسا ہو کہ نہ وہ کسی شئ میں ہو نہ اس سے خارج ہو تو وہ لاشئ ہی ہوگا (یعنی کچھ نہیں ہوگا)، اور یہ معدوم کی صفت ہے...) اور یہ عبدالعزیز حنابلہ کے وجود سے پہلے کے ہیں...'' (حوالہ مذکور)

۴- امام ابومحمد عبداللہ بن سعید بن کلاب (مابعد ۲۴۰ھ) جنھوں نے اشاعرہ ماتریدیہ دونوں کی تاصیل وتمہید فرمائی تھی۔

جو کلابیہ کی طرح اشاعرہ کے بھی امام اول تسلیم کئے جاتے ہیں، بلکہ اپنے کلامی دور میں خود اشعری صاحب کے بھی امام رہے ہیں۔[①]

①(درء التعارض: ۱۲۱/۶)

جن کی ابن فورک (۴۰۶ھ) نے بھی زبردست مدح سرائی کی ہے اور ان کے متعلق خوب خوب مبالغوں سے کام لیا ہے اور انہیں بھاری بھرکم القاب اور بلند وبالا اوصاف سے نوازا ہے جو کچھ اس طرح ہیں:

''شیخ اہل الدین''، ''امام المحققین''، ''حق اور اہل حق کے لئے فتح وکامرانی کے نقیب''، ''اللہ کے دین کا دفاع کرنے والے''، ''ھوا پرستوں اور بدعتیوں کے لئے شمسیر براں''، ''ہدایت ورشد کی نصرت سے تائید یافتہ''، ''شیخ اول''، ''امام سابق''، ''ان قواعد کی بنیاد رکھنے والے''، ''ان اصولوں کی تأسیس کرنے والے''، ''اباطیل کے شگافوں کی مرمت اور اصلاح کرنے والے'' اسی طرح کے دیگر الفاظ میں خوب مدح سرائی کی ہے...

(دیکھئے: درء التعارض: ۱۲۱/۶)

چنانچہ اشاعرہ وماتریدیہ کے یہی ممدوح جناب ابن کلاب صاحب فرماتے ہیں کہ:

''نظر وخبر سے اس شخص کا قول باہر ہوگیا جس نے یہ کہا کہ: ''(اللہ) نہ تو عالم کے اندر ہے نہ اس سے باہر ہے، اور برابر برابر اس کی نفی کردی؛ کیونکہ اگر اس سے کہا جائے کہ: ''عدم سے اسے موصوف کرو'' تو وہ اس سے زیادہ کچھ کہنے پر قادر نہ ہوگا، اور اس نے از روئے نص اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی خبروں کو رد کردیا، اور اس کے متعلق ایسی باتیں کہیں جو نہ خبر میں جائز ہے نہ معقول میں، پھر بھی وہ یہی سمجھے بیٹھا ہے کہ یہی خالص توحید ہے''۔

اور ان کے نزدیک نفی خالص ہی اثبات خالص ہے، اور بذات خود وہ اپنا شمار قیاسیوں میں کرتے ہیں۔

اگر یہ کہیں کہ: ''ہاں وہ اوپر نہیں ہے''

تو ان سے کہا جائے گا: ''اور نہ وہ نیچے ہے''؟

پھر اگر ان کا جواب یہی ہو کہ: ''نہ وہ اوپر ہے نہ نیچے ہے''

تو انھوں نے اسے معدوم ٹھہرا دیا؛ اس لئے کہ جو نہ نیچے ہو نہ اوپر تو وہ عدم ہی ہوتا ہے۔

(ان شاء اللہ جاری ہے)

تزکیہ وتربیت

نماز میں خشوع کو متاثر کرنے والے اسباب

ابوابراہیم کمال الدین سنابلی بدایونی

شب وروز میں پنج وقتہ نماز ہر بالغ مسلمان مرد وعورت پر فرض ہے، نماز اسلام کے پانچ ستونوں میں سے ایک ہے، نماز کے اجر وثواب اور تاثیر کا دارومدار نمازی کے خلوص اور نماز کے حُسنِ ادائیگی پر ہے، اسی وجہ سے نماز کے اندر خشوع وخضوع کا ہونا ضروری ہے۔

نماز کے اندر خشوع وخضوع کا مطلب:

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نماز میں خشوع وخضوع کا مطلب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "خشوع نام ہے سکون واطمینان اور وقار وتواضع کے ساتھ نماز کی ادائیگی کا جبکہ خشوع کا سبب اللہ کا خوف اوراس کی نگرانی کا خطرہ ہو" (تفسیر ابن کثیر، سورۃ المؤمنون)

خشوع کی اہمیت وفضیلت:

نماز میں خشوع وخضوع کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالی نے آخرت میں کامیاب ہونے والوں کی جن صفات کا تذکرہ کیا ہے ان میں پہلے نمبر پر نماز میں خشوع و خضوع کا ذکر ہے، اللہ تعالی کا فرمانِ عالیہ ہے:

(قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ○الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ)(سورۃ المؤمنون، آیت نمبر 2-1)

"تحقیق کہ کامیاب ہو گئے وہ مؤمنین جو اپنی نمازوں میں خشوع اختیار کرتے ہیں" (المؤمنون:2-1)

اندازہ لگائیں، اللہ تعالی نے صرف نماز کا ذکر نہیں کیا بلکہ نماز کو خشوع وخضوع کے ساتھ پڑھنے والوں کا ذکر کیا۔

نماز کو خشوع وخضوع کے ساتھ ادا کرنے والوں ہی کا اللہ پر ذمہ بھی ہے کہ وہ ان کو بخش دے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: خَمْسُ صَلَوَاتٍ افْتَرَضَهُنَّ اللَّهُ تَعَالَى، مَنْ أَحْسَنَ وُضُوءَهُنَّ وَصَلَّاهُنَّ لِوَقْتِهِنَّ، وَأَتَمَّ رُكُوعَهُنَّ وَخُشُوعَهُنَّ، كَانَ لَهُ عَلَى اللَّهِ عَهْدٌ أَنْ يَغْفِرَ لَهُ، وَمَنْ لَمْ يَفْعَلْ فَلَيْسَ لَهُ عَلَى اللَّهِ عَهْدٌ، إِنْ شَاءَ غَفَرَ لَهُ وَإِنْ شَاءَ عَذَّبَهُ (ابوداود، حدیث نمبر:425)

" اللہ تعالی نے پانچ وقت کی نمازیں فرض کی ہیں، جو ان نمازوں کا اچھی طرح سے وضو کرے اور ان نمازوں کو ان کے وقت پر پڑھے، رکوع اور خشوع کا خیال رکھے، تو اس کا ذمہ اللہ نے لے لیا ہے کہ اس کی مغفرت فرما دے گا، اور جو ایسا نہ کرے اللہ پر اس کا کوئی ذمہ نہیں، چاہے گا تو اسے معاف کرے گا اور چاہے گا تو اسے سزا دے گا" (ابوداود، حدیث نمبر:425)

اب آیئے ذیل میں ہم ان اسباب کا ذکر کر دیں جن سے نماز کا خشوع وخضوع متاثر ہوتا ہے یا ہو سکتا ہے۔

1۔نمازی کو مشغول کردینے والی کسی چیز کا سامنے ہونا:

کسی ایسی چیز کے پیچھے نماز پڑھنے سے بچنا چاہیے جو آپ کے دھیان کو اپنی طرف کھینچے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسی چیز کو اپنے سامنے سے ہٹوادیا کرتے تھے جو نماز میں آپ کا دھیان بٹائے، چنانچہ حدیث میں آتا ہے:

عَنْ أَنَسٍ : كَانَ قِرَامٌ لِعَائِشَةَ سَتَرَتْ بِهِ جَانِبَ بَيْتِهَا، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " أَمِيطِي عَنَّا قِرَامَكِ هَذَا، فَإِنَّهُ لَا تَزَالُ تَصَاوِيرُهُ تَعْرِضُ فِي صَلَاتِي۔ (بخاری، حدیث نمبر:374)

" حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے نقش ونگار والا ایک پردہ گھر کے کونے میں لٹکا لیا تھا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: اس کپڑے کو یہاں سے ہٹادو کیونکہ اس کا نقش ونگار مسلسل مجھے نماز میں پریشان کرتا ہے" (بخاری، حدیث نمبر:374)

چنانچہ حضرت عائشہ نے اسے ہٹادیا اور اس کے تکیے بنا لیے (مسلم، حدیث نمبر:2107)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب خانہ کعبہ کے اندر داخل ہوئے تاکہ اس میں نماز پڑھیں تو آپ نے اس میں مینڈھے کے دو سینگ دیکھے، نماز سے فارغ ہوکر آپ نے عثمان بن طلحہ الحجبی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: إِنِّي نَسِيتُ أَنْ آمُرَكَ أَنْ تُخَمِّرَ الْقَرْنَيْنِ ؛ فَإِنَّهُ لَيْسَ يَنْبَغِي أَنْ يَكُونَ فِي الْبَيْتِ شَيْءٌ يَشْغَلُ الْمُصَلِّيَ۔ (ابوداود، حدیث نمبر:2030)

" میں تمہیں یہ بات کہنا بھول گیا تھا کہ ان دونوں سینگوں کو ڈھانپ دینا، کیونکہ یہ مناسب نہیں کہ بیت اللہ میں کوئی چیز ایسی ہو جو نمازی کو مشغول کردے" (ابوداود، حدیث نمبر:2030)

مذکورہ حدیث کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ ایسی جگہ نماز پڑھنے سے بچنا چاہیے جہاں نمازی کا دھیان بٹانے والی اشیاء ہوں، لہذا ایسی جگہ نماز پڑھنے سے احتراز کرے جہاں کثرت سے لوگ گزر رہے ہوں، کھیل تماشہ ہو رہا ہو، شور و ہنگامہ ہو رہا ہو یا ٹی وی چل رہا ہو۔

نیز اگر ممکن ہو تو بہت زیادہ گرمی والی جگہ میں بھی نماز پڑھنے سے بچے، اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے موسم گرما میں ظہر کی نماز کو ٹھنڈا کر کے پڑھنے کا حکم دیا ہے، علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

" سخت گرمی میں نماز ادا کرنے سے خشوع اور دل لگانے کی کیفیت ختم ہو جاتی ہے اور آدمی عبادت سخت پریشانی اور مشکل میں ادا کرتا ہے، اس لیے شارع علیہ السلام نے ظہر کی نماز دیر سے پڑھنے کا حکم دیا ہے تاکہ گرمی کا زور ٹوٹ جائے اور بندہ حاضر دل کے ساتھ عبادت کر سکے" (الوابل الصیب، ص:22 ط دار البیان)

2۔سخت نقش ونگار والے کپڑے میں نماز پڑھنا:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کالی اور سفید دھاری والی قمیص میں نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہوئے تو آپ کی توجہ اس کی دھاریوں کی طرف مبذول ہوگئی، نماز سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے فرمایا: "اذْهَبُوا بِخَمِيصَتِي هَذِهِ إِلَى أَبِي جَهْمٍ، وَائْتُونِي بِأَنْبِجَانِيَّةِ

أَبِي جَهْمٍ ؛ فَإِنَّهَا أَلْهَتْنِي آنِفًا عَنْ صَلَاتِي" "میری یہ قمیض ابوجہم کو دے آؤ اور میرے لیے سادہ قمیص لے آؤ، اس نے تو مجھے نماز سے غافل کر دیا (بخاری، حدیث نمبر:373)

لہذا ایسے کپڑوں میں نماز پڑھنے سے حتی الامکان بچنے کی کوشش کرنی چاہیے کہ جس میں بہت زیادہ نقش ونگار اور ایسی دھاریاں ہوں جو نمازی کو نماز سے غافل کر دیں۔

3۔نیند کے غلبے میں نماز پڑھنا:

نیند کے غلبے میں بھی نماز نہیں پڑھنا چاہیے، کیونکہ نیند کے غلبے میں اسے پتہ ہی نہیں چلے گا کہ وہ کیا پڑھ رہا ہے اور بسا اوقات ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ وہ اپنے لیے مغفرت کی دعا کر رہا ہو اور نیند کی بے خودی میں وہ اپنے اوپر لعنت کرنے لگے یعنی زبان سے الفاظ کچھ کے کچھ نکلنے لگیں، اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"إِذَا نَعَسَ أَحَدُكُمْ فِي الصَّلَاةِ فَلْيَنَمْ، حَتَّى يَعْلَمَ مَا يَقْرَأُ " (بخاری، حدیث نمبر:213)

" جب تم میں سے کسی کو نیند میں اونگھ آنے لگے تو وہ سو جائے (اور نیند پوری کر کے نماز پڑھے) کم سے کم اسے یہ تو معلوم ہونا چاہیے کہ وہ پڑھ کیا رہا ہے" (بخاری، حدیث نمبر:213)

4۔بیت۔الخلا کی ضرورت روک کر نماز پڑھنا:

اگر بیت الخلاء جانے کی حاجت ہو اور جماعت کا وقت ہو جائے تو پہلے اپنی حاجت سے فارغ ہونا چاہیے، پھر نماز پڑھنی چاہیے، بیت الخلاء کی حاجت روک کر نماز ادا کرنا درست نہیں ہے، کیونکہ ایسی صورت میں نمازی کا دل نماز میں نہیں لگ سکتا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِذَا أَرَادَ أَحَدُكُمْ أَنْ يَذْهَبَ الْخَلَاءَ، وَقَامَتِ الصَّلَاةُ، فَلْيَبْدَأْ بِالْخَلَاءِ (ابوداود، حدیث نمبر:88)

" جب تم میں سے کسی کا بیت الخلاء جانے کا ارادہ ہو اور جماعت بھی کھڑی ہو جائے تو اسے پہلے قضائے حاجت سے فارغ ہونا چاہیے" (ابوداود، حدیث نمبر:88)

5۔کھانے کی موجودگی میں نماز پڑھنا:

اگر کھانا لگا دیا جائے اور ادھر نماز کا بھی وقت ہو جائے، حتی کہ اقامت بھی کہہ دی جائے، تو پہلے اطمنان وسکون سے کھانا کھانا چاہیے، پھر نماز پڑھنی چاہیے، کیونکہ اگر کھانے کی موجودگی میں وہ نماز پڑھے گا تو اندیشہ ہے کہ اس کا دل کھانے کی طرف لگا رہے، پھر پیٹ ہے بھی ایسی چیز کہ اگر بھوک لگی ہو تو کسی چیز میں دل نہیں لگتا جب تک کہ کھانا نہ کھا لیا جائے، اور نماز تو پوری توجہ چاہتی ہے کہ یہی خشوع وخضوع کا تقاضہ ہے، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "إِذَا وُضِعَ عَشَاءُ أَحَدِكُمْ، وَأُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَابْدَءُوا بِالْعَشَاءِ، وَلَا يَعْجَلَنَّ حَتَّى يَفْرُغَ مِنْهُ "(مسلم، حدیث نمبر:559)

" جب تم میں سے کسی کا شام کا کھانا لگا دیا جائے اور نماز کی اقامت بھی ہو چکی ہو تو کھانا کھانے سے شروعات کرو اور کھانا کھانے میں ہرگز جلدی نہ مچاؤ، اطمنان سے فارغ ہو (پھر نماز پڑھو)" (مسلم، حدیث نمبر:559)

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لَا صَلَاةَ

بِحَضْرَةِ الطَّعَامِ (مسلم، حدیث نمبر:560)

" کھانے کی موجودگی میں نماز نہیں ہے" (مسلم، حدیث نمبر: 560)

خیال رہے کہ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ آپ روزانہ کا اپنا یہی معمول بنالیں کہ نماز کا وقت ہو تو کھانا کھانا شروع کریں بلکہ مطلب یہ ہے کہ اگر کبھی ایسا ہو جائے کہ آپ کھانا نہیں کھا سکے ہیں اور بھوک بھی لگی ہے تو پہلے کھانا کھائیں چاہیں جماعت نکل جائے، پھر نماز پڑھیں، ورنہ عام حالات میں انسان کو اپنے کھانے کا ٹائم ٹیبل اس طرح کا بنانا چاہیے کہ اس کی جماعت نہ چھوٹے اور مسجدوں میں نماز وقت مقررہ پر ہوتی ہے، اور ہر نمازی کو معلوم ہوتا ہے کہ اس کی مسجد میں نماز کا وقت کیا ہے، لہذا وہ اذان سے پہلے ہی کھانے سے فارغ ہو جائے اور اگر بھوک نہیں ہے تو آرام سے نماز کے بعد کھائے، شریعت کی رعایتوں کو بدعملی کا سبب نہیں بنانا چاہیے۔

6۔اِدھر اُدھر نگاہ گھمانا:

دوران نماز نگاہ سجدے کی جگہ پر ہونی چاہیے سوائے حالت تشہد کے کہ اس میں نگاہ گود میں ہو اور نگاہ کو انگشتِ شہادت سے تجاوز نہ کرے، بعض لوگ نماز نہایت ہی لاپرواہی سے پڑھتے ہیں اور دورانِ نماز آنکھوں کے گلوں کو ادھر ادھر گھماتے رہتے ہیں، ان کا یہ عمل خشوع کے خلاف ہے اور بے توجہی کی دلیل ہے، نماز تو پوری توجہ کے ساتھ ادا کرنی چاہیے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

"سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ الِالْتِفَاتِ فِي الصَّلَاةِ، فَقَالَ : " هُوَ اخْتِلَاسٌ يَخْتَلِسُهُ الشَّيْطَانُ مِنْ صَلَاةِ الْعَبْدِ "(بخاری، حدیث نمبر:751)

" میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دوران نماز ادھر ادھر متوجہ ہونے کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا: یہ وہ چوری ہے جسے شیطان بندے کی نماز سے چرا لیتا ہے" (بخاری، حدیث نمبر:751)

7۔جمائی لینا:

جمائی سستی و کاہلی کی علامت ہے اور نماز انسان کو چاق و چوبند ہو کر پڑھنی چاہیے، اسی وجہ سے نماز کے دوران جمائی پر کنٹرول کرنے اور اسے روکنے کا حکم ہے، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: إِذَا تَثَاءَبَ أَحَدُكُمْ فِي الصَّلَاةِ فَلْيَكْظِمْ مَا اسْتَطَاعَ ؛ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَدْخُلُ۔ (مسلم، حدیث نمبر: 2995)

" جب تم میں سے کسی کو نماز کے دوران جمائی آئے اسے ممکنہ حد تک روکنا چاہیے، اس لیے کہ (جمائی کے دوران) شیطان داخل ہو جاتا ہے" (مسلم، حدیث نمبر:2995)

ذرا غور فرمائیں! جب شیطان داخل ہو گیا تو خشوع وخضوع کی کہاں عافیت ہے؟ لہذا ایک نمازی شخص کو ہر اس چیز سے بچنا چاہیے جو جواس کی نماز کے خشوع کو غارت کرنے والی ہو، واللہ المستعان۔

❖ ❖ ❖

نکاح میں لڑکی کی رضا اور سرپرستوں کا جبر

سرفراز فیضی : داعی صوبائی جمعیت اہل حدیث، ممبئی

ہمارے معاشرے میں خواتین پر ظلم کی مختلف شکلوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ نکاح کے معاملہ میں لڑکی کی رضامندی کو اہمیت نہیں دی جاتی۔صورت حال یہ ہے کہ بیشتر گھرانوں میں نکاح ہوجانے تک اس کی کوئی فکر ہی نہیں ہوتی کہ لڑکی سے بھی اس کی رائے اور پسند معلوم کر لی جائے، یا تو سرے سے لڑکی سے اس کی پسند ناپسند کے متعلق سوال ہی نہیں کیا جاتا، یا سوال ایسے موقعے پر کیا جاتا ہے جب انکار کے لیے کوئی گنجائش ہی نہیں ہوتی ہے۔مثلا شادی سے ایک دو دن پہلے جب شادی کی ساری تیاریاں مکمل ہوچکی ہوتی ہیں تو فارملیٹی پوری کرنے کے لیے لڑکی سے بھی اجازت لے لی جاتی ہے یا عین نکاح کی مجلس میں قاضی صاحب رجسٹر تھامے لڑکی سے نکاح قبول کرانے پہنچ جاتے ہیں، ظاہر سی بات ہے کہ ایسے ماحول میں لڑکی سے ایجاب وقبول کی حیثیت محض ایک رسم کی ادائیگی سے زیادہ کی نہیں ہوتی کیونکہ کوئی شریف لڑکی ایسی حالت میں نکاح سے انکار کرنے کی ہمت نہیں کرسکتی۔

عجیب بات یہ ہے کہ لڑکی کے نکاح کے معاملہ میں گھر کے تمام افراد کی رائے لی جاتی ہے، بھائی اور باپ سے لے کر بہنوئی تک کی رضامندی کو اہمیت دی جاتی ہے، اہمیت نہیں دی جاتی تو اس لڑکی کی رضا کو جس کو پوری زندگی اس شخص کے ساتھ بتانی ہے۔گھر میں والدین سرپرستوں کی نظر میں ایک معیار ہوتا ہے اور سرپرستوں کو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ ان کے طے کیے ہوئے معیارات سے لڑکی بھی راضی ہے یا نہیں، آخر یہ ضروری تو نہیں کہ مال اور دولت اگر ماں باپ کی نظر میں معیار ہو تو لڑکی کی خواہش بھی مالدار شوہر ہی کی ہو۔اگر ماں باپ کی نظر میں لڑکے کے حسین اور وجیہ ہونے کی کوئی اہمیت نہیں تو لڑکی کو بھی لڑکے کے بدصورت ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑنے والا۔ماں باپ اگر ذات اور برادری کو اہمیت دینے والے ہیں تو لڑکی کی نظر میں بھی اس کی وقعت ہو، اولیاء کی نظر میں تعلیم اور دینداری کوئی معنیٰ نہ رکھتی ہو تو لڑکی کو بھی جاہل، گنوار اور بے دین لڑکے کے ساتھ زندگی گذارنے میں کوئی دقت نہ ہو۔

شریعت نے نکاح کے معاملہ میں والد یا دیگر حضرات کو لڑکیوں کا سرپرست بنایا ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ شریعت نے اولیاء کو لڑکیوں پر جبر کا اختیار دے دیا ہے، نکاح کے لیے جتنی ضروری لڑکے کی رضا ہے اتنا ہی ضروری ہے کہ لڑکی بھی اس نکاح سے راضی ہو، ولی کی رضامندی بلاشبہ نکاح کے صحیح ہونے کی لازمی شرط ہے کیونکہ عمر کے اس مرحلہ میں لڑکی اپنے

مستقبل کے بارے میں اچھے اور برے تمیز کی بہت زیادہ صلاحیت نہیں رکھتی اور پردے کی پابندیوں کی وجہ سے سماج سے اس کا تعلق ایسا نہیں ہوتا کہ وہ خود اپنے لیے رشتہ تلاش کرسکے، والد نے کیونکہ اس کو پال پوس کر بڑا کیا ہے اس لیے غالب گمان ہے کہ وہ نکاح کے لیے لڑکے کے اختیار میں اپنی بچی کے مستقبل کے ساتھ ساتھ اس کی پسند ناپسند کا خیال رکھے گا۔لیکن اس کے باوجود نکاح میں قبول اور انکار کا اصل اختیار عورت کو حاصل ہے۔اسی لیے اگر ولی نکاح کے معاملہ میں لڑکی پر جبر کرے تو وہ قاضی سے شکایت کرکے ولایت ساقط کرانے کے لیے مقدمہ دائر کرسکتی ہے لیکن اگر کوئی لڑکی کسی لڑکے سے نکاح نہ کرنا چاہتی ہو تو دنیا کی کوئی عدالت نکاح کے لیے اس کو مجبور نہیں کرسکتی۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ جَارِيَةً بِكْرًا أَتَتِ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم فَذَكَرَتْ لَهُ أَنَّ أَبَاهَا زَوَّجَهَا وَهِيَ كَارِهَةٌ ، فَخَيَّرَهَا النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم.

''ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک کنواری لڑکی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور اس نے کہا کہ اس کے باپ نے اس کا نکاح کیا ہے اور وہ پسند نہیں کرتی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اختیار دے دیا۔'' (سنن ابن ماجہ)

لڑکی کنواری ہو یا شوہر دیدہ، شریعت نے ہر حال میں اس کو یہ حق دیا ہے کہ اسکی زندگی کا ساتھی اس کی مرضی سے ہی چنا جائے گا، اس کی اجازت کے بغیر اولیاء کو اس کا نکاح کرنے کا کوئی حق نہیں۔

حدثنا معاذ بن فضالة حدثنا هشام عن يحيى عن ابي سلمة ان ابا هريرة حدثهم ان النبي صلى الله عليه وسلم قال:"لا تنكح الايم حتى تستأمر ولا تنكح البكر حتى تستاذن قالوا: يا رسول الله وكيف إذنها؟ قال: ان تسكت".

جناب ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیوہ عورت کا نکاح اس وقت تک نہ کیا جائے جب تک اس کی اجازت نہ لے لی جائے اور کنواری عورت کا نکاح اس وقت تک نہ کیا جائے جب تک اس کی اجازت نہ مل جائے۔صحابہ نے کہا کہ یا رسول اللہ! کنواری عورت اذن کیونکر دے گی۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ خاموش رہ جائے۔یہ خاموشی اس کا اذن سمجھی جائے گی۔(صحیح البخاری، حدیث نمبر:5136)

احادیث میں کنواری لڑکی کی خاموشی کو اس کی رضا کی علامت بتایا گیا ہے کیونکہ کنواری لڑکی باحیا ہوتی ہے، اس کی حیا کھل کر اپنی پسند ناپسند کے اظہار سے اس کو روکتی ہے لیکن سرپرستوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ لڑکی کی خاموشی کا تجزیہ کریں کہ خاموشی کیا واقعتا اس کی رضا ہے یا اس کی بے بسی اور مجبوری۔

لڑکیوں پر جبر کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ گھر میں لڑکیاں جیسے ہی شادی کی عمر کو پہنچتی ہیں گھر والوں کی طرف سے اس طرح کا ماحول بنا دیا جاتا ہے کہ لڑکی محسوس کرنے لگتی ہے کہ وہ اپنے ماں باپ کے سر پر ایسا بوجھ ہے جس نے ان کی کمر توڑ رکھی ہے،

رشتے کی تلاش میں سرگرداں والدین کے چہرے پر طاری بے بسی اور لاچاری اور ہر مرتبہ ریجیکٹ ہونے کے بعد ماں باپ کی پریشانی لڑکی کے دل میں یہ احساس پیدا کر دیتی ہے کہ کسی طرح سے اس کا بوجھ اس کے والدین کے کاندھوں سے اتر جائے پھر اس کو جس کے پلو باندھ دیا جائے گا وہ اس کے ساتھ ہی زندگی گذار لے گی۔ان حالات میں اس کا سکوت نکاح سے اس کے راضی ہونے پر دلالت نہیں کرتا بلکہ اس کے خود کا حالات سے راضی کر لینے کی سوچ لیے ہوتی ہے۔

کسی لڑکی کو جبرا ایک ایسے شخص کے ساتھ زندگی گذارنے پر مجبور کرنا جس کو وہ دل سے پسند نہ کرتی ہو خود ایک بہت بڑا ظلم اور ناانصافی ہے، اللہ نے انسان کو زندگی میں جو آزادی اور اختیار کا حق دیا ہے اس کے خلاف ہے پھر اگر لڑکی شرافت کی حدوں میں ہوتی ہے تو اس ظلم کو جیسے تیسے زندگی بھر برداشت بھی کر لیتی ہے۔ لیکن اگر لڑکی شرافت کی حدوں کو توڑنے کا عزم کر لیتی ہے اور ایسے معاملات میں حدوں کو توڑنا اس کے لیے مجبوری بھی بن جاتا ہے تو پھر اور بھی بہت سارے مفاسد جنم لیتے ہیں۔لڑکیاں اگر ماں باپ کی عزت کا خیال کرنے والی ہوتی ہیں تو اس عزت کی رعایت کرتے ہوئے یہ ظلم بھی برداشت کر لیتی ہیں ورنہ جب یہ احساس ہوتا ہے کہ شادی میں ان کی مرضی اور پسند کا خیال نہیں رکھا گیا ہے تو وہ پوری زندگی ایک مکروہ شخص کے ساتھ عذاب کی طرح کاٹنے کے بجائے ماں باپ کی عزت پر داغ لگا کر اپنی پسند کے لڑکے کے ساتھ فرار ہو جانے کو ترجیح دیتی ہیں اور اگر شرافت کی یہ حدیں شادی کے بعد ٹوٹیں تو یہ زیادہ نقصان پہنچاتی ہیں، اگر ایک شادی شدہ عورت کی الفت اور التفات کا رخ اپنے شوہر کے بجائے کسی پرائے مرد کی طرف ہو تو اس کا نقصان کنواری لڑکی کی بے راہ روی کی بنسبت بہت زیادہ ہوتا ہے اس لیے شریعت نے اس کی سزا بھی کنواری لڑکی کی بنسبت بہت بڑی رکھی ہے۔

طالب علم ہونے کے ناطے وہ بہت ساری برائیاں جو معاشرے کی تہوں میں ہوتی ہیں استفتاء اور سوالات کی شکل میں ہمارے سامنے روز آتی رہتی ہیں۔آئے دن ہونے والے سوالات سے اندازہ ہوتا ہے کہ وفاداری کی راہ سے شادی شدہ عورتوں کے قدم ڈگمگانے کے حادثات پہلے کے بالمقابل بہت تیزی کے ساتھ رونما ہو رہے ہیں، آہستہ آہستہ یہ صورت حال ایک المیہ کی صورت اختیار کرتی جا رہی ہے۔ شوہروں کی عدم توجہ اور میڈیا کی غلط تربیت کے ساتھ ساتھ اس المیہ کے پیچھے بہت بڑا سبب نکاح کے وقت لڑکیوں کی پسند ناپسند کو نظر انداز کرنے کا بھی ہے۔

لڑکی کی رضا کے بغیر اس کا نکاح خود اس کے شوہر کے ساتھ بھی ظلم ہے کہ ایک ایسی عورت کے ساتھ اس کی اپنی زندگی کا سفر طے کرنا جو اس کو شوہر کی حیثیت سے پسند ہی نہیں کرتی ہے۔

یاد رکھیں! شریعت نے آپ کو لڑکی کا سرپرست بنایا ہے مالک نہیں اور سرپرستی آپ کے ہاتھوں میں لڑکی کے ساتھ حسن سلوک کرنے کے لیے دی گئی ہے، اس پر جبر اور ظلم کرنے کے لیے نہیں۔

❖ ❖ ❖

خصوصی مضمون

جاہ ومرتبہ اور شہرت وسرداری کی خواہش: مظاہر اور علاج

ابوعبداللہ عنایت اللہ سنابلی مدنی

عربی زبان میں: شہرت کے معنیٰ کسی چیز کا عیب ظاہر ہو جانے یعنی فضیحت (بے عزتی) کے ہیں۔

اور اصطلاح میں: ناموری اور لوگوں کے درمیان اچھے تذکرہ کا نام شہرت ہے۔

اور ''جاہ'' کا معنیٰ لوگوں کے دلوں میں مقام ومرتبہ بیٹھ جانا' تا کہ اسے جاہ ومرتبہ والے اپنے اغراض ومقاصد میں استعمال کریں' کیونکہ ایسے لوگوں کے بارے میں عوام کا یہ عقیدہ ہوتا ہے کہ یہ علم، عمل اور زہد وورع وغیرہ کے بڑے اعلیٰ اوصاف کے مالک ہیں۔

ریاست یا رئاست: رئیس قوم کے سردار کو کہتے ہیں (إحیاء علوم الدین، ۳/ ۲۹۵، ولسان العرب، والقاموس المحیط، مادہ (شهر) ومادہ (رأس))۔

☆ امام ابن رجب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''جان لو کہ لوگوں کے معاملات کی تدبیر اور امر ونہی کو منوا لینے کے جذبہ سے شرافت و بلندی کی محبت کا مقصد اگر محض مخلوق پر عظمت وبرتری اور صاحب شرف کا یہ دکھانا ہو کہ لوگ اس کے محتاج اور ضرورتمند ہیں' نیز حاجت براری میں اس کے سامنے نہایت عاجز ومجبور ہیں' تو یہ الوہیت وربوبیت میں اللہ کی مقابلہ آرائی ہے۔ اور بسا اوقات اس قسم کے لوگ عوام کی کسی ضرورت کے موقعہ پر انہیں اس بات پر مجبور کرنے کا سبب بن سکتے ہیں کہ عوام اپنی ضرورتیں اُنہی کے سامنے پیش کریں' اور اُن کے سامنے اپنے آپ کو نہایت محتاج و ضرورتمند ثابت کریں' اور پھر وہ اس سے اپنی خوب بڑائی وبرتری اور عظمت و کبریائی ظاہر کریں' جب کہ یہ اللہ ہی کے لائق وزیبا ہے'' (رسالہ ''شرح حدیث' ماذئبان جائعان' 'از امام ابن رجب رحمہ اللہ، ص (۱۲)، یہ اس موضوع پر ایک قیمتی رسالہ ہے)۔

مزید فرماتے ہیں: ''بڑکپن کی لالچ کی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم: سربراہی وبادشاہی اور مال کے ذریعہ شرف طلبی، یہ نہایت خطرناک ہے، اور یہ بہت زیادہ عام ہے، دنیا وآخرت کی بھلائی' عز وشرف اور فضیلت سے محروم کر دیتا ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

{تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ۭ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ} (سورۃ القصص: ۸۳)۔

آخرت کا یہ گھر ہم انہی کے لئے مقرر کر دیتے ہیں جو زمین میں اونچائی بڑائی اور فخر نہیں کرتے، نہ فساد کی چاہت رکھتے ہیں، پرہیزگاروں کے لئے نہایت ہی عمدہ انجام ہے۔

دوسری قسم: دینی امور مثلاً علم، عمل اور زہد وتقویٰ کے ذریعہ

لوگوں پر برتری اور شرف حاصل کرنا، یہ پہلی قسم سے بھی زیادہ قبیح، اور نہایت خطرناک ہے (مصدر سابق)۔

☆ ارشاد باری ہے:

{لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا} (سورۃ الاسراء: ۲۲)۔

اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود نہ ٹھہرا کہ آخرش تو برے حالوں بے کس ہو کر بیٹھ رہے گا۔

علماء کہتے ہیں: اس آیت کریمہ کا منطوق یہ کہتا ہے کہ جو غیر اللہ سے لو لگائے گا اللہ اُسے اُسی کے سپرد کر دے گا، اور وہ اپنے تمام حالات میں مذمت اور بے کسی سے دوچار ہوگا۔ اسی طرح آیت کریمہ کا مفہوم یہ بھی کہتا ہے کہ اللہ کی توحید کا اقرار کرنے والا ہر حال میں محمود، اور اللہ کی نصرت وتائید سے بہرہ ور ہوگا۔

☆ اللہ عز وجل کا ارشاد ہے:

{تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ} (سورۃ القصص: ۸۳)۔

آخرت کا یہ گھر ہم انہی کے لئے مقرر کر دیتے ہیں جو زمین میں اونچائی بڑائی اور فخر نہیں کرتے، نہ فساد کی چاہت رکھتے ہیں، پرہیزگاروں کے لئے نہایت ہی عمدہ انجام ہے۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کریمہ کے تحت اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں: ''اللہ سبحانہ وتعالیٰ خبر دے رہا ہے کہ دار آخرت اور اس کی لازوال دائمی نعمت اللہ نے اپنے ان تواضع شعار مومن بندوں کے لئے مقدر فرمائی ہے جو روئے زمین میں بلندی یعنی مخلوق الٰہی پر عظمت وبرتری، جبر وظلم نیز ان کے مابین فساد کے خواہاں نہ ہوں۔ جیسا کہ امام عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''علو'' کے معنیٰ جبر کے ہیں اور امام سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''علو'' کے معنیٰ ظلم کے ہیں۔

اور منصور عن مسلم البطین کے واسطہ سے امام سفیان بن سعید ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''علو فی الارض'' کے معنیٰ ناحق تکبر کرنے اور ''فساد'' کے معنیٰ ناحق مال ہڑپ کرنے کے ہیں۔

علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اگر آدمی اس بات کی خواہش کرے کہ اس کے جوتے کا تسمہ دوسرے کے تسمہ سے عمدہ رہے تو وہ بھی اللہ کے اس فرمان میں داخل ہے:

{تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ} (سورۃ القصص: ۸۳)۔

آخرت کا یہ گھر ہم انہی کے لئے مقرر کر دیتے ہیں جو زمین میں اونچائی بڑائی اور فخر نہیں کرتے، نہ فساد کی چاہت رکھتے ہیں، پرہیزگاروں کے لئے نہایت ہی عمدہ انجام ہے۔

البتہ یہ اس صورت میں مذموم ہے جب اس سے انسان کا مقصد فخر وغرور اور دوسروں پر برتری ہو، لیکن اگر اس کا مقصد محض زیب وزینت ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں'' قدرے تصرف سے بات ختم ہوئی۔

☆ شیخ عبد الرحمن سعدی رحمہ اللہ سابقہ آیت کریمہ کے تحت اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں: ''یہ تمام گناہوں کو شامل ہے، کہ جب وہ روئے زمین میں ظلم وفساد کے خواہاں نہیں ہیں، تو اس کا

لازمی مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ کی رضا کے خواہاں اور دار آخرت کے جویا ہیں' اور ان کی حالت یہ ہے کہ وہ بندگان الٰہی کے لئے متواضع اور حق پرستی و عمل صالح کے خوگر ہیں، اور ساتھ ہی آیت کریمہ میں حصر سے معلوم ہوا کہ زمین میں تکبر یا فساد چاہنے والے دار آخرت میں کسی بھی چھوٹے بڑے حصہ و نصیبہ سے محروم ہیں'' قدرے تصرف سے بات ختم ہوئی۔

☆ نیز نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

''ماذئبان جائعان أرسلا في غنم بأفسد من حرص المرء على المال والشرف لدينه'' رواه الإمام أحمد والنسائي والترمذي وابن حبان في صحيحه (صحیح الجامع، حدیث (۵۶۲۰))۔

بکریوں کے کسی ریوڑ میں بھیجے گئے دو بھوکے بھیڑیئے اتنا زیادہ نقصان دہ نہیں جتنا مال و شرف کا لالچ آدمی کے دین کو نقصان پہنچاتا ہے۔

اسے امام احمد، نسائی، ترمذی اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔

☆ امام مناوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''حدیث کا مقصود یہ ہے کہ مال و شرف کی لالچ کا دینی فساد' دو بھیڑیوں کی بکریوں کی ایذا رسانی سے بھی زیادہ ہے، کیونکہ غرور و تکبر اور اکڑپن کی یہ خصلت اپنے موصوف کو ورغلاتی اور اس کی ضرر رسانی کا سامان کرتی ہے، اس لئے کہ یہ صفت 'علو فی الارض' اور 'فساد' جیسی شرعاً مذموم خصلتوں کو دعوت دینے کے سبب مذموم ہے''۔

حکیم فرماتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ نے اس امت میں لالچ رکھی ہے' لیکن مومنوں کی لالچ کو توحید و یقین کا لگام لگا دیا ہے' اور حرص و لالچ کے تعلقات کو انوار و تجلیات الٰہی کے ذریعہ کاٹ دیا ہے، لہٰذا جسے جس قدر یقین اور انوار الٰہی کا حصہ ملا ہوگا' اس کی لالچ اتنی ہی زیادہ پابند حکم الٰہی ہوگی۔ انسان کو حرص کی ضرورت تو ہے لیکن ایک مناسب و محدود دائرہ میں، لیکن اگر آدمی کے حرص کو گرہ نہ لگایا جائے' اس کا طوفان بپا ہو' نفس اس قدر آمادہ کرے کہ حد ضرورت سے تجاوز کر جائے' تو نقصان دہ ہوگا'' (فیض القدیر، از امام مناوی، ۵/۶۴۴)۔

☆ نیز نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

''من لبس ثوب شهرة ألبسه الله ثوباً مثله، ثم يلهب فيه النار''۔

جو شہرت کا لباس پہنے گا' اللہ تعالیٰ اسے ویسا ہی لباس پہنائے گا، پھر اُسی میں آگ بھڑکائے گا۔

اور ایک روایت میں ہے:

''ألبسه الله ثوب مذلة يوم القيامة'' (اسے امام ابوداود اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے، صحیح الجامع، حدیث (۶۵۲۶))۔

یعنی اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اُسے ذلت و رسوائی کا لباس پہنائے گا۔

☆ امام مناوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''یعنی قیامت کے اس عظیم ترین مجمع میں ذلت و رسوائی اُس سے اسی طرح وابستہ رہے گی جس طرح جسم سے کپڑا لگا رہتا ہے، اس طور پر کہ اللہ تعالیٰ اُسے دل و نگاہ میں ذلیل و حقیر بنا دے گا۔ چونکہ اُس نے دوسروں پر فخر و غرور کے لئے دنیا کی خواہش زیب تن کی تھی' اس لئے اللہ تعالیٰ اُسے اسی طرح کا لباس پہنائے گا پھر بعینہ اس کے عمل کے برعکس عذاب کے لئے اس میں آگ بھڑکائے گا، اور

جزاء وبدلہ عمل ہی کے جنس کا ہوا کرتا ہے' اس طرح اللہ تعالیٰ اسے ذلیل وخوار کردے گا'' (فیض القدیر، ۶/ ۲۱۹)۔

☆ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

"من طلب العلم ليماري به السفهاء أو يجاري به العلماء ويصرف به وجوه الناس إليه أدخله الله في النار" (اسے امام ترمذی نے روایت کیا ہے، صحیح الجامع، حدیث (۶۳۸۳))۔

جو کم عقلوں سے لڑائی یا علماء سے مقابلہ آرائی' یا لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے علم حاصل کرے گا اللہ تعالیٰ اسے جہنم میں داخل کردے گا۔

☆ امام ابن رجب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''جو عمل' علم اور زہد وتقویٰ سے مخلوق پر سرداری وبرتری چاہے' اور یہ کہ لوگ اس کے تابع ہو جائیں' اس کی ماتحتی اختیار کریں اور اس کے سامنے حاضری دیں، اس طرح وہ علماء پر بلندی وبرتری کے لئے لوگوں کے سامنے اپنی علم دانی وغیرہ ظاہر کرے' تو اُس کا ٹھکانہ جہنم ہے' کیونکہ خلق الٰہی پر تکبر بذات خود حرام ہے' اور اگر اس میں مال و دولت اور سلطنت جیسے دنیوی وسائل کے استعمال کے بجائے اخروی وسیلہ اپنایا جائے تو یہ اور زیادہ گھناؤنا اور قبیح تر ہے'' (رسالہ ''شرح حدیث' ماذئبان جائعان''، ص (۱۸))۔

☆ اور رسول گرامی ﷺ کا ارشاد ہے:

"إنكم ستحرصون على الإمارة، و ستكون ندامة يوم القيامة، فنعمت المرضعة وبئست الفاطمة" رواہ البخاري۔

تم امارت وسرداری کی خواہش کروگے' اور وہ قیامت کے روز ندامت کا سبب ہوگی' کیا خوب ہے دودھ پلانے والی اور کیا ہی بُری ہے دودھ چھڑانے والی۔

☆ امام حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''داوودی فرماتے ہیں: کیا خوب ہے دودھ پلانے والی، یعنی دنیا میں، اور کیا ہی بُری ہے دودھ چھڑانے والی یعنی مرنے کے بعد، کیونکہ موت حساب وکتاب کا سبب ہے' چنانچہ اس کی مثال ایسی ہے جیسے شکم سیر ہونے سے پہلے کسی کا دودھ چھڑا دیا جائے تو وہ ہلاک ہوکر رہ جائے۔

اور دوسرے لوگ کہتے ہیں: کیا خوب دودھ پلانے والی ہے' یعنی اس لئے کہ اس وقت انسان کو جاہ ومرتبہ' مال ودولت' اثر و رسوخ اور ظاہری و باطنی لذتیں میسر تھیں۔ اور کیا ہی بُری ہے دودھ چھڑانے والی، یعنی موت یا کسی اور وجہ سے اُن چیزوں سے محرومی اور اسی طرح آخرت میں اُس کے سبب پیش آنے والی ذلت ورسوائی وغیرہ کا سامنا کرنا ہوگا'' (فتح الباری، ۳/ ۱۲۶)۔

☆ شہرت، جاہ ومرتبہ اور سرداری طلب کرنے کی مذمت کے سلسلہ میں سلف صالحین رحمہم اللہ سے منقول چند آثار واقوال:

☆ عبد اللہ بن المبارک رحمہ اللہ سے مروی ہے' بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے سفیان ثوری رحمہ اللہ نے کہا: شہرت سے بچو، کیونکہ میں جس کے پاس بھی آیا' اُس نے مجھے شہرت سے منع کیا'' (حلیۃ الاولیاء، ۷/ ۲۳)۔

☆ ابراہیم وحسن رحمہما اللہ سے مروی ہے' فرماتے ہیں: ''آدمی کی برائی کے لئے یہی کافی ہے کہ کسی دینی یا دنیوی مسئلہ میں اس کی طرف انگلیوں سے اشارہ کیا جائے' سوائے اس کے جسے اللہ محفوظ رکھے'' (حلیۃ الاولیاء، ۴/ ۲۴۲)۔

☆ سفیان ثوری رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ انہوں نے اپنے کسی بھائی کو لکھا: ''دیکھنا! مقام ومرتبہ کی خواہش نہ کرنا، کیونکہ اس سے بے رغبتی دنیا کی بے رغبتی سے بھی زیادہ سخت ہے'' (حلیۃ الاولیاء، ۶/ ۳۸۷)۔

☆ بشر بن الحارث رحمہ اللہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں: ''میں یہی جانتا ہوں کہ جس نے بھی شہرت چاہا' بے دین ہو کر ذلیل وخوار ہو گیا'' (حلیۃ الاولیاء، ۸/ ۳۴۳)۔

☆ شداد بن اوس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''اے عرب کے بقیہ لوگو! مجھے تم پر سب سے زیادہ جس بات کا خوف ہے' وہ ریا کاری اور پوشیدہ خواہش ہے''۔

امام ابو دود سجستانی رحمہ اللہ سے پوچھا گیا: ''پوشیدہ خواہش'' کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا: ریاست وسرداری کی چاہت! یہ لوگوں سے پوشیدہ ہوتی ہے اور اکثر وبیشتر خود صاحب واقعہ سے بھی پوشیدہ رہتی ہے'' (فتاویٰ شیخ الاسلام ابن تیمیہ، ۱۶/ ۳۴۶)۔

☆ غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''جان لو کہ جس کے دل پر جاہ ومرتبہ کی محبت غالب ہوگی' اسے صرف اس بات کی فکر ہوگی کہ مخلوق کو دکھانے اور ان کی محبت وپذیرائی کے حصول کے لئے ان کی بھرپور رعایت کرے، اور اپنے تمام اقوال وافعال میں اس پر صرف یہی دھن سوار ہوگی کہ لوگوں کی نگاہ میں اس کا مقام ومرتبہ کیسے بڑھے؟ اور یہ نفاق کی بیج اور فساد کی جڑ ہے، اور اس کا انجام لامحالہ عبادات میں تساہل' ریا کاری اور لوگوں کے دلوں کو جیتنے کے لئے ممنوعات ومحرمات کے ارتکاب کی شکل میں ظاہر ہوگا، اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مال وشرف کی محبت اور اس کی واہی تباہی کو دو خونخوار بھیڑیوں سے تشبیہ دیا ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے: ''إنه ینبت النفاق كما ینبت الماء البقل'' (کہ یہ چیز اسی طرح نفاق پیدا کرتی ہے جس طرح پانی سبز گھاس اگاتا ہے)، کیونکہ نفاق قول وکردار میں ظاہر وباطن کے تضاد کا نام ہے، اور ہر شخص جو لوگوں کے دلوں میں مقام ومرتبہ کا خواہاں ہوگا' وہ اُن کے ساتھ منافقت اور بظاہر اپنے آپ کو ان کے سامنے اچھے اخلاق وکردار کا حامل ثابت کرنا چاہے گا' حالانکہ درحقیقت وہ ان اوصاف سے عاری ہوگا، اور یہی عین نفاق ہے!'' (إحیاء علوم الدین، ۳/ ۳۰۴)۔

☆ سابقہ باتوں سے واضح ہوا کہ جاہ ومرتبہ' شہرت اور سرداری کی محبت ایک ایسا مقصد ہے جو کمال توحید کے منافی، اخلاص کے متصادم اور دل کو اللہ عزوجل اور دار آخرت کی چاہت سے جاہ وشرف اور شہرت طلبی کی طرف اور اللہ کی تعظیم سے دنیا اور دنیا داروں کی تعظیم کی طرف مائل کرنے والا ہے' جبکہ نہ تو مخلوق کو اس لئے پیدا کیا گیا ہے اور نہ ہی انہیں اس کا حکم دیا گیا ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

{وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۙ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ} (سورۃ البینۃ: ۵)۔

انہیں اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا کہ صرف اللہ کی عبادت کریں اسی کے لئے دین کو خالص رکھیں ابراہیم حنیف کے دین پر اور نماز کو قائم رکھیں' اور زکاۃ دیتے رہیں' یہی ہے دین سیدھی ملت کا۔

(جاری ہے)

[۳]

خصوصی مضمون

اسلام کی کچھ اہم خصوصیات

ایمانداری، امن پسندی، صلح جوئی اور رواداری

محمد مقیم فیضی

شجاعت و بہادری

تیمور کے خون میں سب سے پہلے شجاعت کی گرمی کا اثر ڈھونڈ ھنا چاہیے عالمگیر اس وراثت کا سب سے بڑا حصہ دار ہے، تیمور کی نسل بابر سے شاہجہان تک شجاعت اور بہادری کا مرقع ہے، جس میں ایک دوسرے سے ممتاز نظر نہیں آسکتا۔ اکبر مست ہاتھیوں کو عین لڑنے کی حالت میں سونڈ پکڑ کر پیچھے ہٹا دیتا تھا۔ شاہ جہان نے شہزادگی میں تلوار سے شیر مارا ہے۔ لیکن عالمگیر کی شجاعت کے خدوخال اس مرقع میں نمایاں تر ہیں۔ وہ جب چودہ برس کا تھا تو ایک موقع پر جب شاہجہان ہاتھیوں کی لڑائی کا تماشا دیکھ رہا تھا۔ ایک ہاتھی فوج کی طرف ٹوٹ پڑا اور مطلع صاف تھا۔ لیکن عالمگیر پہاڑ کی طرح اپنی جگہ سے نہ ہلا اور ہاتھی جسے کہ آرا ہوا۔ ہاتھی نے اس کے گھوڑے کو سونڈ میں پکڑ کر دور پھینک دیا۔ عالمگیر لوٹ پوٹ کر اٹھا اور بڑھ کر ہاتھی پر تلوار ماری اس معرکے کو تمام مورخین نے تفصیل سے لکھا ہے، ابو طالب کلیم ملک الشعرائے شاہجہان بھی اس موقع پر موجود تھا۔ اس نے اس واقعہ کو نظم کر دیا ہے۔

۔۔۔۔(اشعار فارسی میں ہیں اس لئے انہیں نقل نہیں کیا گیا ہے)

شاہجہان یہ ردوبدل خود دیکھ رہا تھا ہاتھی ہٹا تو عالمگیر کو بلا کر سینہ سے لپٹا لیا اور اس پر سے موتی اور روپے نچھاور کئے۔

جنگ کے میدان میں بہادری

داراشکوہ کی جنگ میں ۱۵، ۳۰ ہزار فوج سے ایک لاکھ سوار اور بیس ہزار پیدل فوج کے مقابلے میں معرکہ آرا ہوا ہے۔ اور جب گھمسان کی لڑائی شروع ہوئی تو اس کے ساتھ صرف ایک ہزار آدمی رہ گئے تھے اس وقت اس نے جو شجاعت ظاہر کی ہے اس کو لین پول ان الفاظ میں لکھتا ہے۔

جنگ کی یہ نازک حالت ہوگئی تھی اور قریب تھا کہ اورنگ زیب کو ہزیمت ہو کیونکہ اس کے چیدہ سے چیدہ رسالے پسپا ہو چکے تھے اور وہ تنہا کھڑا ہوا تھا اور مشکل سے ایک ہزار آدمی اس کے گرد ہوں گے اور ان کو بھی دارا کے حملوں کا انتظار تھا۔ اس سے زیادہ مستقل رستمانہ شجاعت کی کبھی جانچ نہ ہوئی ہوگی لیکن اورنگ زیب کے بدن میں بجائے پٹھوں کے فولاد کے تار تھے صرف اورنگ زیب کی شجاعت تھی جس نے ایک ہزار کو ایک لاکھ فوج پر فتح دی۔

عالمگیر کی اس جرات انگیز شجاعت اور اس تعجب خیز عزم وثبات کو بڑھاپا، کمزوری، مصائب سفر، تواتر حوادث کوئی چیز کم نہ کر سکی۔

اورنگ زیب کی قادر الکلامی اور انشاء پردازی

مولانا آزاد لکھتے ہیں: عالمگیر نے دل معتدل اور زبان قادر البیان پائی تھی اس لئے اپنے فرمان اور خطوط آپ لکھتا تھا۔ یا سامنے لکھواتا تھا۔ کاغذات پر خود حکم چڑھاتا تھا۔ وہ ۷۰ برس سلطنت کر کے ۱۱۱۵ھ میں فوت ہوا اس کی تحریر دیکھ کر تعجب آتا ہے کہ جس طرح اورنگ زیب سلطنت زیر قدم رکھتا تھا۔ اسی

طرح کشورِ سخن بھی زیرِ قلم۔ دیکھو اس کے چھوٹے چھوٹے فقرے ملک رانی کے بیچوں میں الجھے ہوئے ہیں مگر عبارت صاف ہے اور لفظ لفظ میں محاورے کا نمک دیا ہوا ہے۔ تمام انتظامی ہدایتیں اور اکثر اخلاقی نصیحتیں ہیں کہ تاثیر میں ڈوبی ہوئی ہیں اس کی تحریر کو گلستاں سے تشبیہ دوں (مضائقہ نہیں اتنا فرق ہوگا کہ گلستاں کے خیالی مضامین ہیں اور اس کے عالی، عبارت اس کی جتنی پڑھنے میں سہل ہے اتنی ہی لکھنے میں دشوار ہے۔

(اورنگ زیب عالمگیر حصہ اول علامہ شبلی نعمانی۔ تعارف وترتیب: سردار عظیم اللہ خان شائع کردہ فکشن ہاؤس لاہور اورنگ زیب کے متعلق مذکورہ واقعات اسی کتاب سے ماخوذ ہیں اور سب علامہ شبلی ہی کی زبان میں ہیں صرف حاشیہ کی چند باتیں اس سے مستثنٰی ہیں)

اورنگ زیب کے سب سے بڑے حریف داراشکوہ کا عقلی معیار

''کالیکارنجن قانون گو ''داراشکوہ'' دوسرا یڈیشن صفحہ ۲۱-۴۵۔

اسی کتاب کے مطابق قندھار پر فتح حاصل کرنے کے لئے داراشکوہ جادوگروں اور ماہرین عملیات کو اپنے ساتھ لے گیا۔ اندرگری نامی ایک عامل داراشکوہ سے یہ کہہ کر کافی دولت اینٹھ رہا تھا کہ چالیس موکلوں کی مدد سے وہ قندھار کو برباد کردے گا۔ ایک مخصوص رات میں وہ داراشکوہ سے دو ویشیا، ایک بھینس، ایک مینڈھا، پانچ عدد مرغ اور روپیہ پیسہ وغیرہ لے کر جادوئی طاقت جگانے کے لئے کسی پرسکون مقام پر چلا گیا۔ قندھار کا تو کچھ بھی نہیں بگڑا البتہ اندرگری جیسے کتنے ہی بہروپیوں نے داراشکوہ سے کافی دولت اینٹھی۔ (کہنے کو تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ داراشکوہ کو ہندو تنتر منتر میں یقین تھا۔ لیکن اس سے اس کی بے وقوفی جھلکتی ہے۔) (حاشیہ ص ۱۵۷، اورنگ زیب اور اس کا نظریہ۔ اوم پرکاش پرشاد ترجمہ: فیضان رشید)

جرم کی سزا میں ہندو اور مسلمانوں میں عدم تفریق

ستارا کے قلعہ پر دھاوا بولنے والوں میں سے 13 آدمی پکڑے گئے جن میں ہندو اور مسلمان دونوں تھے۔ دربار کے قاضی اکرم سے ان مجرموں کو سزا دینے کے بارے میں پوچھا گیا تو اس نے ہندوؤں کو مسلمان بنادینے اور مسلم مجرموں کو تین سال کی قید تجویز کی۔ قاضی اکرم کے اس فیصلہ کو اورنگ زیب نے غلط بتایا اور قاضی اور مفتیوں کو شریعت کے مطابق دوبارہ فیصلہ سنانے کا حکم دیا۔ ان نئے منصفوں نے ہندو اور مسلمان دونوں کے لئے سزائے موت کا فیصلہ سنایا اور اسی فیصلہ کو اورنگ زیب نے بھی منظوری دی۔ (جادو ناتھ سرکار اورنگ زیب ص ۱۰۶) اورنگ زیب نے ہمیشہ اولیت اسی بات کو دی کہ ایک جیسی غلطی کے لئے مسلم اور غیر مسلم کے درمیان سزا میں کوئی امتیاز نہ برتا جائے۔

ہندوؤں کو اعلیٰ عہدوں سے برطرف کرنے کی سفارش پر اورنگ زیب کا حکیمانہ جواب

مرہٹوں پر فتح پانے کے بعد اورنگ زیب کے ایک مقرر کردہ افسر محرم خاں نے غیر مسلموں کو غیر معتبر اور دشمن بتاتے ہوئے انہیں اعلیٰ عہدوں سے ہٹا دینے کی درخواست اورنگ زیب کو بھیجی۔ اورنگ زیب نے جواب دیا ''حکومت کے امور کا مذہب سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اگر تمہارا مشورہ قبول کرتے ہوئے اس پر عمل پیرا ہوا جائے تو میرے لئے یہ فرض ہوجائے گا کہ میں تمام ہندو راجاؤں اور ان کے ماتحتوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکوں، جو میں نہیں کرسکتا۔ اہل افسران کو عہدے سے معزول کرنے کی حمایت سمجھ دار لوگ کبھی نہیں کرتے۔ (سرکار، اورنگ زیب کا اپا کھیان، آگرہ ۱۹۶۷ء ص ۷۴-۷۵)

مقام کا نام بدلنے پر اورنگ زیب کا ردعمل

جنوبی ہندوستان میں واقع برہم پوری میں تعینات ایک افسر میر حسن نے اورنگ زیب کو اس کے برہم پوری پہنچنے سے پہلے لکھا۔ ''اسلام پوری کا قلعہ کمزور ہے اور آپ عنقریب وہاں پہنچنے والے ہیں۔ قلعہ مرمت چاہتا ہے۔ اس سلسلے میں آپ کا کیا حکم ہے؟'' اورنگ زیب نے جواب دیا ''اسلام پوری'' لفظ لکھ کر تم نے مناسب نہیں کیا۔ اس کا پرانا نام برہم پوری تھا، تمہیں وہی لکھنا چاہئے تھا۔ جسم کا قلعہ تو اس سے بھی زیادہ کمزور ہے اس کا بھی کچھ علاج سوچا؟ (حوالہ مذکور ۹۱)

مندروں کے لئے وظیفے

بی-این-پانڈے (بی-این-پانڈے خدا بخش میموریل اینول لکچرس ۱۹۸۶ء) کے بقول اس کی حکومت کی پالیسی تھی کہ اس نے ہندو مندروں اور مٹھوں کے لئے وظیفے مقرر کئے (مفصل معلومات کے لئے مطالعہ کیجئے ''دی ویشنواز آف پنڈورا'' مرتبہ گرے وال اور بی، این گوسوامی، سینٹر آف ایڈوانس اسٹڈیز شملہ) الہ آباد میں واقع سومیشور ناتھ مہادیو کے مندر، بنارس میں کاشی وشوناتھ کے مندر، چترکوٹ کے بالاجی مندر، گوہاٹی میں واقع اومانند مندر، شترونجی میں جین مندر اور شمالی ہند میں واقع بے شمار مندروں اور گرودواروں کے لئے اورنگ زیب نے جاگیریں وقف کیں۔

بنارس کے کاشی وشوناتھ مندر کو توڑنے کی داستان ہندو اسکالروں کی زبانی

بنارس کے کاشی وشوناتھ مندر کو توڑنے کا الزام اورنگ زیب کے سر ڈالا گیا، لیکن اب تک اس کا ایک بھی معاصر ثبوت نہیں ملا ہے، جس کی رو سے اورنگ زیب کے ذریعہ اس مندر کا توڑا جانا ثابت کیا جاسکے۔ جیسا کہ پہلے بھی بتایا جاچکا ہے کہ ہندو راجاؤں اور بادشاہوں کے ہاتھوں کتنے ہی مندر تباہ و برباد کئے گئے لیکن ان پر کوئی خاص نکتہ چینی نہیں کی گئی۔ ایک اہم سوال یہ ہے کہ صرف بنارس اور متھرا وغیرہ میں ہی اس کے زمانہ میں مندروں کو تباہ کرنے کی معلومات سامنے آتی ہیں۔ آخر کیوں؟ کیا ہندوستان کے دوسرے حصوں میں بڑے بڑے مندر نہیں تھے؟ جنوبی ہندوستان بڑے اور اہم مندروں کے لئے آج بھی دنیا بھر میں مشہور ہے! دوسرا سوال یہ بھی قابل غور ہے کہ اگر اورنگ زیب مذہب کے معاملہ میں سخت اور کٹر مسلمان ہونے کی وجہ سے تمام مذہبی اور سماجی معاملوں کو اسلامی شریعت کے مطابق ہی انجام دیتا تھا تو کیا مندر توڑ کر اس کی جگہ مسجد تعمیر کرنے کی شریعت اجازت دیتی ہے؟ شریعت نے تو واضح الفاظ میں اس فعل کی ممانعت کرتے ہوئے دوسرے کی زمین یا کسی بھی مذہبی جگہ کو چھین کر یا قبضہ کر کے اس پر مسجد تعمیر کرنے کو اسلام کے منافی اور ناجائز بتایا ہے۔ پھر یہ بھی توجہ طلب ہے کہ مغل بادشاہ کے پاس کیا زمین کی کمی تھی جس کی وجہ سے انہیں مندروں کو توڑ کر ہی مسجد تعمیر کرنا ضروری تھا؟ آزادی سے پہلے تک ہندوستان کے تقریباً تمام ہی حصوں میں بہت کافی افتادہ اراضیات کا علم ہوتا ہے جن پر پہلے سے کوئی قابض نہیں تھا بلکہ جس نے بھی وہاں مستقل سکونت اختیار کرلی اس کی وہ ملکیت قرار پاگئی۔ پھر اورنگ زیب کے زیر حکومت تو ملک کا سب سے بڑا رقبہ تھا اس لئے وہ کہیں بھی مسجد تعمیر کرا سکتا تھا اس کے علاوہ اس حقیقت کو بھی ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ مسجدیں تعمیر کرانے کا اورنگ زیب شوق نہیں رکھتا تھا۔ اس کے عہد حکومت میں زیادہ تر مسجدوں کی مرمت اور درستی کا ہی کام ہوا ہے۔

تقریباً سارا ہندوستان اورنگ زیب کے زیر حکومت رہا پھر بھی ہندو مذہب اپنی انفرادی حیثیت قائم کئے رہا۔ اورنگ زیب

یقیناً اس حقیقت سے باخبر تھا کہ ہندو دھرم کو ٹھیس پہنچا کر اس کے ماننے والوں کے غم وغصہ کو بھڑکانا مناسب نہیں۔ محض یہی سبب ہے کہ اس کے زمانہ میں زیادہ تر مندروں کا مذہبی تقدس برقرار رہا۔

مذکورہ بالا ماحول کی روشنی میں ہمیں اورنگ زیب کے عہد حکومت اور اس کے مذہبی نظریات کو سمجھنا ہوگا۔ بنارس کے کاشی وشوناتھ مندر کو توڑنے کے سلسلہ میں پی۔سیتارام ناتھ نے نہایت اہم ثبوت پیش کیا ہے۔ (پی سیتارام کی تصنیف کردہ کتاب ''دی فیدرس اینڈ دی اسٹونس'' کے مطالعہ سے تفصیلی معلومات حاصل ہوسکتی ہے) جسے پی۔این پانڈے نے بھی اپنے مضمون میں بطور حوالہ تحریر کیا ہے۔ (خدابخش میموریل اینول لیکچرس پٹنہ ۱۹۸۶ء) وہ لکھتے ہیں کہ: ''کچھ کی آٹھ مہارانیاں کاشی وشوناتھ میں درشن کرنے گئیں۔ ان میں سے ایک حسین رانی کو مہنتوں نے اغوا کرلیا۔ کچھ کے راجہ نے اس واقعہ کی اطلاع اورنگ زیب کو پہنچائی۔ پہلے تو اورنگ زیب نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ یہ ہندوؤں کا آپسی معاملہ ہے اور اس میں اس کی طرف سے کوئی بھی قدم اٹھانا ٹھیک نہیں ہوگا۔ لیکن جب کچھ کے راجہ نے کافی منت سماجت کی تو اورنگ زیب نے کچھ ہندو سپاہیوں کو واقعہ کی چھان بین اور حقیقت معلوم کرنے کے لئے بھیجا۔ ان سپاہیوں کو مہنت کے آدمیوں نے ڈانٹا ڈپٹا اور مار پیٹ کر بھگا دیا۔ اورنگ زیب کو سپاہیوں کے ساتھ کئے گئے اس برتاؤ پر ناگواری ہوئی۔ اس نے دوبارہ کچھ اہل اور بہتر فوجی جوانوں کو اصل واقعات معلوم کرنے کی غرض سے بھیجا۔ لیکن مندر کے پجاریوں نے اس مرتبہ بھی ڈٹ کر مخالفت کی۔ مغل فوجیوں نے مقابلہ کیا۔ مندر کے اندر فوجیوں اور پجاریوں کے درمیان ہوئی لڑائی کے نتیجہ میں مندر تباہ ہوا، اور لڑائی کی صورت میں ایسا ہونا امکانی بات ہے۔ فوجی جب مندر کے اندر داخل ہونے میں کامیاب ہوگئے تو انہوں نے گم شدہ رانی کی تلاش شروع کردی۔ تلاش کے دوران خاص دیوتا (بڑے دیوتا) کے پیچھے ایک سرنگ کا پتہ چلا جس سے انتہائی ناگوار قسم کی بدبو نکل رہی تھی۔ دو دن تک دوا چھڑک کر اس بدبو کو ختم کیا گیا، اور فوجی برابر پہرہ دیتے رہے۔ تیسرے دن فوجیوں نے سرنگ میں گھس کر کئی گلی سڑی لاشیں جو عورتوں کی تھیں وہاں سے برآمد کیں۔ کچھ کی لاپتہ رانی کی لاش بھی ملی جو برہنہ تھی۔ اجتماعی آبروریزی کی وجہ سے وہ ختم ہوگئی تھی۔ بڑا پجاری گرفتار کیا گیا اور اسے سخت سزا دی گئی۔

اورنگ زیب کے حکم سے شیولنگ کی گم شدہ مورتی کی تلاش

حیدرآباد کے سالار جنگ میوزیم میں دستیاب ایک ریکارڈ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ دکن کی بغاوتوں کو دبانے کے سلسلہ میں اورنگ زیب نے کچھ دنوں تک وہاں قیام کیا تھا۔ اسی دوران نزدیک کے ایک گاؤں کے ایک برہمن خاندان کے گھر سے شیولنگ کی مورتی چوری ہوگئی۔ اس برہمن کے مکان کے آس پاس رہنے والے کچھ مسلم گھرانوں پر شبہ تھا چونکہ شیولنگ کے درشن کئے بغیر وہ برہمن کچھ کھاتا پیتا نہیں تھا۔ اس لئے اس کی حالت مردوں جیسی ہوگئی۔ اس بات کی خبر جب اورنگ زیب کو اس برہمن کی بیوی نے پہنچائی تو اس نے مقامی افسروں کو حکم دیا کہ 24 گھنٹہ کے اندر اس برہمن خاندان کو شیولنگ کی مورتی مل جانی چاہیے ورنہ گاؤں کے سبھی لوگ سزا بھگتیں گے۔ اس ریکارڈ کے آخر میں یہ صراحت موجود ہے کہ شیولنگ کی مورتی برہمن کو مل گئی۔ (ص ۱۷۲)

مندروں، معبدوں اور ہندوؤں کی اراضی سے متعلق اورنگ زیب کا شاہانہ رویہ اور دانشمندانہ سیاست

بی این پانڈے جب الٰہ آباد میونسپلٹی کے چیرمین (53-1948ء) تھے، اس وقت ان کے سامنے ایک اراضی کا جھگڑا آیا۔ یہ اراضی سومیشور ناتھ مہادیو کے مندر کو دان میں ملی تھی۔ مہنت کے مرنے کے بعد اس مندر کے دو شخص دعویدار تھے۔ ان میں سے ایک نے اپنے حق کے ثبوت میں کچھ کاغذات پیش کئے۔ یہ وہ کاغذات تھے جو اورنگ زیب نے دیئے تھے۔ اورنگ زیب نے اراضی کا ایک بڑا حصہ اور کچھ زر نقد اس شرط پر مندر کو دان کیا تھا کہ اس سے حاصل ہونے والی آمدنی کا استعمال دیوتا کے چڑھاوے اور پوجا کے لئے کیا جائے گا۔ (بی۔این۔پانڈے ایضا لیکچرس سیریز ۱۱ ص ۱۲-۱۳)

اورنگ زیب کے اراضیات وقف کرنے سے متعلق کتنے ہی فرامین 1659ء سے 1685ء کے درمیان کے ملے ہیں۔ (ہائی کورٹ پیپرس 1934ء ص 14) شمالی ہندوستان کے کچھ گردواروں سے بھی اراضیات وقف کرنے سے متعلق اورنگ زیب کے فرمان حاصل ہوئے ہیں۔ (ایضا)

- بنارس فرمان کے نام سے مشہور ایک فرمان کو پڑھنے سے پتا چلتا ہے کہ بنارس کے گوری محلہ کے ساکن ایک برہمن خاندان کو یہ فرمان جاری کیا گیا تھا جس کی ساری تفصیل پہلی مرتبہ 1911ء میں جرنل آف دی رائل ایشیاٹک آف بنگال میں شائع ہوئی۔ 10/مارچ 1659ء کو اورنگ زیب کے جاری کردہ اس فرمان کے مطابق ایک مسلمان، ہندو مندر کو توڑ کر اس مقام پر پارک بنانا چاہتا تھا لیکن اورنگ زیب نے اس پر روک لگادی۔

- کچھ دوسرے فرمانوں کے (ایضاص ۱۵-۱۶) مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اورنگ زیب اس بات کا خواہش مند اور کوشاں تھا کہ بنارس کے ہندو امن وامان کی زندگی گزار سکیں۔ ایک خاص موقعہ پر جب مہاراجہ ادھیراج راجہ رام سنگھ نے ایک درخواست اورنگ زیب کے پاس بھیجی کہ گنگا ندی کے کنارے بھگوت گوسائیں نامی دھارمک پجاری کے لئے راجہ کے باپ کے زمانے ہی میں ایک مکان تعمیر کرایا گیا تھا لیکن اب کچھ مسلمان گوسائیں کو پریشان کر رہے ہیں، تو اورنگ زیب نے ذمہ دار افسروں کو تنبیہ کی کہ گوسائیں کو تنگ کرنے پر وہ سزا کے مستحق ہوں گے، اس نے یہ صلاح بھی دی کہ ہندو مذہب اور ہندوؤں کے درمیان امن وسکون کا ماحول قائم کرنے میں سارے مسلمان تعاون کریں۔

- 1934ء کے الٰہ آباد ہائی کورٹ کے مقدمہ کے کاغذات (ایضا) کو پڑھنے سے پتہ چلتاہے کہ اورنگ زیب مسلمانوں کے ذریعہ کئے گئے ناجائز قبضہ کے خلاف تھا۔ بنارس کے ساکن جگ مل اور ارجن مل نے ایک درخواست اس امر کی دی کہ بنارس کے ایک مسلمان نذیر بیگ نے ان کے پانچ مکانوں پر زبردستی قبضہ کرلیا ہے۔ اس سلسلہ میں اورنگ زیب نے 1672ء میں ایک فرمان جاری کیا کہ اگر ارجن مل اور جگ مل کی بات صحیح ہے تو نذیر بیگ کو مکانوں میں قطعاً نہ گھسنے دیا جائے۔

- آسام کی راجدھانی گوہاٹی میں واقع اومانند مندر کے پجاری سداما برہمن کو اورنگ زیب نے کچھ زمین اور جنگلات کی آمدنی کا ایک حصہ دان میں دیا۔ (آسام ریسرچ سوسائٹی جنوری، اپریل 1942ء ص ۱۲-۱)

- اجین کے مہاکالیشور نامی مشہور شیو مندر میں چوبیس گھنٹے یعنی مسلسل چراغ جلانے کے لئے اورنگ زیب سے کئی سو

سال پہلے ہی ایک بڑی اراضی اس مندر کو وقف تھی۔ اورنگ زیب کے زمانہ میں کچھ مسلمان عہدیداروں نے اس پر پابندی لگائی جس کی شکایت میں اس شیو مندر کے پجاری نے اورنگ زیب کو درخواست دی۔ اورنگ زیب نے محمد مہدی جو ایک اعلیٰ افسر تھا سے جانچ کرائی اس کے بعد چار سیر گھی چبوترا کوتوال کے تحصیلدار کو اس مندر میں چراغ جلانے کے لئے دینے کا حکم دیا۔

کئی مورخین احمد آباد کے رئیس شہر کے تعمیر کرائے ہوئے چنتا منی مندر (جرنل آف بمبے یونیورسٹی، جلد ا ص ۵۵) کو اورنگ زیب کے ذریعہ تباہ کرنے کا بیان تو بڑھا چڑھا کر کرتے ہیں لیکن اس بات کو نظر انداز کر دیتے ہیں کہ اورنگ زیب نے اسی رئیس شہر کے تعمیر شدہ شترونجہ اور آبو مندر کو زمینیں وقف بھی کیں جس کی تفصیل اس کاغذ میں ملتی ہے جسے جانس نے 1923ء میں چیف سیکریٹری کو پیش کیا تھا۔

- اورنگ زیب کے فرمان نے ہی ساہس بھائی (بی-این-پانڈے ایضا (مذکورہ)) کے لڑکے شانتی داس جوہری جو شراوک فرقہ سے تعلق رکھتا تھا کو احمد آباد میں واقع پالیتانہ کا ایک گاؤں اورنگ زیب کے ایک فرمان کے ذریعہ وقف کیا تھا۔ پالیتانہ کی پہاڑی شترونجہ کے نام سے مشہور ہے جہاں ایک مندر ہے۔

شراوک فرقہ کے سیتا داس جوہری (وہی پنکم پچوری ''مندر کا مغلیہ رشتہ'' انڈیا ٹوڈے (ہندی) .. شمارہ ۲۱، یکم ۱۵ ستمبر ۱۹۸۷ء ص ۷۰-۱) کو اورنگ زیب نے 1660ء میں نسار اور آبجی کی پہاڑیاں وقف کیں، اس نے اپنے ماتحت حکام کو تاکید کی کہ ان پہاڑیوں سے کوئی ٹیکس وصول نہ کیا جائے اور کسی بھی دشمن راجہ کو ان پر قبضہ نہ کرنے دیا جائے۔

- کرناٹک کی فتح کے بعد ترو پتی کے مشہور مندر کے لئے اس نے خاص دلچسپی کا مظاہرہ کیا۔ (شری رام شرما ''مغل شاسکوں کی دھارمک نیتی'' ص ۱۶۱، مرآۃ احمدی I ص ۱۶۲)
- اپنے عہد حکومت کے آخری 27 سال اس نے جنوبی ہندوستان میں گزارے لیکن اس مدت میں وہاں کوئی ہندو مندر برباد نہیں کیا گیا۔ (شری رام شرما ایضا ص ۱۶۲)
- بنگال کے وشال پور شہر میں اورنگ زیب کے عہد میں دو مندروں کی تعمیر 1681ء میں ہوئی اور تیسرا مندر 1690ء میں تعمیر ہوا۔ (منوچی IV ص ۱۱۸-۱۲۱ شری رام شرما، ایضا)
- گجرات کے شہنشتر انگ سرورر کے گندے پانی کو نکال کر صاف پانی حاصل کرنے کے لئے تمام خرچ سرکاری خزانہ سے ادا کرنے کا حکم اورنگ زیب نے دیا۔ (نیوز لیٹر ۷ جولائی ۱۶۶۴، شری رام شرما)
- گیا کے ایک مندر کو اس نے زمین وقف کی۔ (اعظم، تاریخ کشمیر ص ۱۶۵)

مندرجہ بالا حقائق سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں جن مندروں سے حکومت کو تعاون ملتا رہا اورنگ زیب نے ان کے حق میں مخلصانہ رویہ برتا۔ لیکن ان مندروں کو اورنگ زیب نے بغیر کسی تاخیر کے فوراً رونڈ ڈالا جن کے توسط سے ہندو راجاؤں نے اپنی خودمختاری کا مظاہرہ کرنا چاہا۔ اس نے مسلمانوں کے لئے بھی یہی طریقہ اختیار کرتے ہوئے گولکنڈہ کی شاہی مسجد جو مرکزی مخالف عناصر کا اڈہ بن گئی تھی تباہ کر دی بلکہ اس نے اپنے باپ، بھائی اور خطرہ محسوس کرنے پر بیٹے اور بیٹی کو بھی نہیں بخشا۔ بقدر ضرورت ہندو اور مسلمان میں تفریق کئے بغیر وہ اپنے آدمیوں کی پوزیشن کو ہمیشہ مضبوط کرنے میں مصروف عمل رہا۔ ہندوؤں کے بارے میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ سبھی اورنگ زیب کے مخالف نہیں تھے۔ ہندو ہو یا مسلمان، مخالفین کے ساتھ یکساں

سخت گیری، اور ہندو، مسلمان دوستوں کے ساتھ وہ فراخدلی کا نرمی کا سلوک کرتا تھا۔

محکمۂ مالیات میں اورنگ زیب کے ہندو عہدیداران وملازمین

ماثر عالمگیری کے مطابق اورنگ زیب نے ایک حکم کے ذریعہ محکمہ مالیات میں ہندوؤں کی تقرری بند کرادی اس کی خاص وجہ یہ تھی کہ ملازمین کو چوری، سود اور رشوت خوری کی خاص عادت ہوگئی تھی۔ (زیڈ فاروقی ''اورنگ زیب اینڈ ہز ٹائمس'' بمبئی ۱۹۳۵ء ص ۱۹۰-۹۱) ہندوؤں کی کمی ہوجانے سے سرکاری کام میں رکاوٹ آنے کے باعث اس نے اپنے حکم میں ترمیم کی اور خزانہ کے محکمہ میں تقرری کا تناسب ہندو اور مسلمانوں کے لئے پچاس پچاس فیصد مقرر کیا۔ (ماکھن لال رائے چودھری ''دی اسٹیٹ اینڈ ریلیجن ان مغل انڈیا کلکتہ ۱۹۵۱ء ۲۶۹) ایک اہم بات کا علم اس فرمان سے یہ بھی ہوتا ہے کہ اس کے اجرا سے پہلے اس محکمہ میں ہندوؤں کا فیصد تناسب اور زیادہ تھا۔ عام حالات میں اورنگ زیب ہندو مسلمان میں تفریق نہ کرتا اور اہلیت کو اولیت دیتا تھا۔ (محمد یسین ''اے سوشل ہسٹری آف اسلامک انڈیا لکھنؤ ۱۹۵۸ء ص ۴۸، ۲۰۱، ۱۱۔ (۸۴ تا ۸۷) سرکار، ایضاً ص ۴۱۷)

ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان فاصلوں اور قربتوں کا پیمانہ

ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان فاصلے یا تناؤ کو صد فیصد درست بتانا سیاسی مفاد کے پیش نظر مناسب ہوسکتا ہے۔ لیکن تاریخی نقطہ نظر سے نہیں۔ ہمیں بہت سی مثالیں ایسی ملتی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ دشمنی یا ذاتی مفاد کے پیش نظر ہندوؤں کے خلاف (اورنگ زیب ص ۳۴۰) ہندوؤں نے مسلمانوں کا ساتھ دیا اور اس بات کے بھی ثبوت موجود ہیں کہ حسب ضرورت مسلمانوں نے مسلمانوں کی مخالفت یا ہندوؤں کا ساتھ دیا۔ مثال کے طور پر گنگا رام برہمن جس کے یہاں گرو گوبند سنگھ کی ماں سندری اور ان کے بچوں نے پناہ لی۔ اسی گنگا رام نے ان بچوں اور گرو جی کی ماں سندری کو سرہند کے حاکم کے حوالہ کردیا۔ اور جان کی بازی لگا کر گرو گوبند سنگھ کو موت سے بچانے والے نبی خاں اور غنی خاں دونوں کو گرو گوبند سنگھ نے ''بیٹوں سے بھی پیارے'' کہا۔

- گرو ارجن سنگھ کا بھائی پرتھوی چند تھا۔ اس نے جب تک بھائی کی جان نہ لے لی چین سے نہیں بیٹھا۔ حالانکہ اسی کی وجہ سے گرو ارجن کو گرفتار کیا گیا تھا۔
- میاں میر بھی ایک مسلمان تھا جس کے ہاتھوں امرتسر کے گرودوارہ کا سنگ بنیاد رکھا گیا تھا۔
- چندوشاہ ایک ہندو ہی تھا جس نے کافی اذیتیں دے کر گرو ارجن سنگھ کو مارا اور ان کے بھائی پرتھوی چند کا دل ٹھنڈا کیا۔ بابا فریدؒ وہ مسلمان تھے جن کی نظموں کو گرو ارجن سنگھ نے گرو گرنتھ صاحب میں شامل کیا۔
- بہادر شاہ گو مسلمان تھا لیکن اس کی دی ہوئی (تلوار) ذوالفقار آج بھی آنند پور صاحب میں موجود ہے۔
- دھیرومل گرو تیغ بہادر کا بھتیجہ تھا جو ہمیشہ ان کے خلاف مغل دربار کے کان بھرتا رہتا تھا۔ چنانچہ یہ تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ اورنگ زیب کے زمانہ میں مرہٹوں، سکھوں اور جاٹوں کی بغاوتیں ہوئیں، لیکن کسی طرح کا فرقہ وارانہ فساد نہیں ہوا۔ (مغل سامراج کا اتھان اور پتن، الہ آباد ۱۹۸۴ء ص ۴۷-۳)

خود ساختہ شوشے جو تاریخی حقائق بن جاتے ہیں

ایک انگریز آفیسر میٹکلف نے اپنی کتاب ''سکھوں کی تواریخ'' میں سب سے پہلے یہ تحریر کیا ہے کہ اورنگ زیب نے گرو تیغ بہادر کو سزائے موت دی میٹکلف سے پہلے اس کا کوئی

تذکرہ یا ثبوت نہیں ملتا۔ اس سے بھی اہم ایک نکتہ یہ ہے کہ میٹکلف کے بعد شائع ہونے والی دوسری کتاب میں میٹکلف کے اس خیال کو کہ اورنگ زیب نے گرو تیغ بہادر کو موت کی سزا دی۔'' کافی اہمیت دی گئی جبکہ میٹکلف سے پہلے ایک دوسری بات کا علم ہوتا ہے۔ (براؤن ''ایڈیا ٹریکٹس'' جلد ۲ ص ۳-۲) بھائی منی سنگھ کی 1893ء میں شائع ہوئی کتاب ''بھگت رتناولی'' میں واضح طور پر لکھا گیا ہے کہ ایک سکھ نے ہی ان کی اپنی اجازت سے ان کا سر کاٹ دیا۔ کننگھم (کننگھم سکھوں کا اِیتھاس، ص ۵۷) نے لکھا ہے کہ اورنگ زیب کو اپنی کرامت دکھانے کے لئے انہوں نے کہا کہ وہ ایک ایسا منتر لکھیں گے کہ جو بھی اسے اپنی گردن میں باندھ لے گا، تلوار کے بھاری سے بھاری وار کا بھی کوئی اثر اس کی گردن پر نہیں ہوگا۔ اس منتر کو انہوں نے خود اپنی ہی گردن میں باندھا اور اپنے چیلے کو وار کرنے کا اشارہ کیا۔ تلوار کی بھاری ضرب جیسے ہی ان کی گردن پر پڑی سرتن سے جدا ہوکر ایک طرف جا گرا۔ اس واقعہ کے راوی وہ لوگ ہیں جنہیں گرو جی کی خدمت میں ہمیشہ حاضر رہنے کی سعادت حاصل تھی۔ 1912ء میں یہ کتاب بھگت رتناولی جب دوبارہ شائع ہوئی تو مذکورہ بالا واقعہ کو حذف کر دیا گیا۔ کیونکہ اس سے پہلے میٹکلف کی کہانی آ چکی تھی۔

● گیانی سنگھ کی تصنیف پنتھ پرکاش کا پہلا ایڈیشن 1879ء اور دوسرا ایڈیشن 1883ء میں شائع ہوا۔ اس کتاب کے دونوں ایڈیشنوں میں اس بات کا کوئی تذکرہ نہیں ہے کہ گرو تیغ بہادر کو اورنگ زیب نے قتل کرایا۔ پنتھ پرکاش کا تیسرا ایڈیشن مالکم کی کتاب کے بعد شائع ہوا۔ اس کتاب میں یہ عبارت ہے کہ گرو جی سے اسلام قبول کرنے کو کہا گیا۔ ان کے انکار پر دہلی کے چاندنی چوک پر برسرعام ان کا قتل کر دیا تھا۔

ایک اہم نکتہ یہ بھی ہے کہ کننگھم نے اپنی کتاب میں اس واقعہ کو تحریر نہیں کیا۔

''سکھاں دے راج'' کتاب 1862ء اور 1892ء میں دو مرتبہ شائع ہوئی اس کتاب میں بھی بھگت رتناولی کی طرح گرو تیغ بہادر کو اورنگ زیب کے ذریعہ سزائے موت دیئے جانے کا کوئی تذکرہ نہیں ہے، لیکن اس کتاب کے گورمکھی ایڈیشن میں اصلیت کے برخلاف اورنگ زیب کا نام اور یہ واقعہ شامل کر دیا گیا۔

ایک گرانقدر حقیقت جس سے اکثر متعصب لوگ چشم پوشی کر کے حقائق کو غلط رخ دیتے ہیں

اگر ہم اورنگ زیب کو ایک مسلم حکمراں کے بجائے صرف حکمراں یا بادشاہ سمجھیں تو یہ حقیقت تسلیم کرنا ہوگی کہ کسی بادشاہ کو ہر چیز سے زیادہ اپنے تاج وتخت کی بقا اور استحکام عزیز ہوتا ہے۔ چنانچہ اورنگ زیب نے بھی اپنی سلطنت اور تخت کے استحکام کو ہی اولیت دی۔ اس کی صوبائی حکمت عملی اور ان کی تشکیل میں یہی مقصد سب سے زیادہ اہم اور نمایاں نظر آتا ہے۔ اسی مقصد کے حصول کے لئے دکن کی کتنی ہی ریاستوں کے مسلم حکمرانوں اور اعلیٰ عہدیداروں کو جہاں ایک طرف اپنا مخالف سمجھا وہیں دوسری طرف ہندوؤں کو اپنا معتمد سمجھا۔ ایک طاقتور راجپوت جے سنگھ کو نہ صرف صوبہ داری کے اعلیٰ عہدہ پر فائز کیا بلکہ اس پر اعتماد کرتے ہوئے مرہٹوں سے نمٹنے اور ان کی طاقت کو ختم کرنے کی پوری ذمہ داری بھی اسی کے سپرد تھی۔ مسلم اور غیر مسلم پر دھیان دیئے بغیر جے سنگھ نے بھی ایمانداری اور پوری وفاداری کے ساتھ مرہٹوں کی مخالفت اور اورنگ زیب کی حمایت میں اہم کارکردگی دکھائی۔

جس طرح ذاتی مفادات کے تحت گول کنڈہ اور بیجاپور کے

مسلمانوں نے اورنگ زیب کی مخالفت، اس کے کنبہ میں نا اتفاقی اور ہندو طاقتوں کے ساتھ راہ ورسم قائم رکھنے کی روش اختیار کی، اس سے ایک اہم ثبوت یہ فراہم ہوتا ہے کہ ہندوستان کے تمام مسلمانوں میں اتحاد نہیں تھا، البتہ کچھ مسلمان حکمراں یا سلطان ایسے تھے جو ذاتی مفاد کی خاطر ضرورت پڑنے پر دوسرے مسلمان حکمرانوں سے متحد ہوگئے۔

مندرجہ بالا صورت حال کا اطلاق صرف مسلمانوں پر ہی نہیں ہوتا، بلکہ مرہٹوں کا بھی یہی انداز تھا۔

جیسا کہ اوپر بیان کیا جاچکا ہے کہ کتنے ہی ہندو علاقوں کو مرہٹوں نے صرف ذاتی فائدہ کے لئے تاراج کیا۔ وہاں کے تباہ حال عوام نے اورنگ زیب کے حق میں اپنی عقیدت مندی کا اظہار کیا۔ عقیدت مندی صرف اس لئے کہ نہ صرف اورنگ زیب بلکہ اس سے پہلے بھی یہی چیز نظر آتی ہے کہ عوام ہمیشہ ٹیکس کا بوجھ برداشت کرتے اور بے بس ہوتے ہیں۔ تعلیم کا فقدان، ذرائع آمدورفت کی کمی اور اقتصادی مشکلات کی وجہ سے عام رعایا تمام حکمرانوں کو خواہ وہ ہندو ہوں یا غیر ہندو ایک جیسا ہی سمجھتی، اس لئے کہ اس کا استحصال سب نے یکساں طور پر کیا۔

مرہٹوں کی فوج میں صرف ہندو ہی نہیں تھے بلکہ اعلیٰ فوجی عہدوں پر بہت سے اہل اور باصلاحیت مسلمان فائز تھے اور مسلم طاقتوں کے خلاف انہوں نے نہایت ایمانداری کے ساتھ مرہٹوں کا ساتھ بھی دیا۔

لہٰذا ہمیں کہنا پڑے گا کہ تمام مسلمانوں کا ایک ہونا اور بالاتفاق سبھی ہندوؤں کی جداگانہ حیثیت سمجھنے کی بات انگریزوں کے زمانہ کی پیداوار ہے۔ اور اس بے بنیاد بات کو باور کرانے کے لئے حقائق کو نظر انداز کیا گیا، یا اس کی تفصیل اطمینان بخش طریقہ سے نہیں کی گئی۔

اس حقیقت سے روشناس ہونے کے لئے اگر اورنگ زیب کے زمانہ کے اسباب اور عوامل کو نظر انداز بھی کر دیا جائے تو دور حاضر کے حالات کا جائزہ لینے سے بھی اس حقیقت کو با آسانی سمجھا یا محسوس کیا جاسکتا ہے۔ ہندوستان میں ہر سال سینکڑوں واقعات رونما ہوتے رہتے ہیں جن میں مسلمان مسلمان کا مخالف نظر آتا ہے اور ہندو کی گولی سے ہندو کا سینہ چھلنی دکھائی دیتا ہے۔ اس کے برعکس بہت سے ہندو کنبوں کا روزگار مسلمانوں کے ہاتھ میں اور بہت سے مسلمانوں کی زندگی ہندوؤں کی سرپرستی میں بسر ہورہی ہے۔ یہ حقیقت علیحدگی پسندی یا آپسی منافرت نہیں بلکہ ہندو اور مسلمانوں کے اشتراک سے پیدا شدہ ایک ایسے ماحول کی تصویر پیش کرتی ہے جس میں سماجی، سیاسی، اقتصادی یہاں تک کہ مذہبی معاملوں میں بھی ہندو اور مسلمان ایک جیسے اور گھلے ملے دکھائی دیتے ہیں نہ کہ ایک دوسرے سے الگ اور ہٹے بچے۔

اسی طرح اورنگ زیب کے زمانہ میں مذہبی منافرت کا ماحول ہوتا اور اسی کے لئے ہندو اور مسلمان نبرد آزما ہوتے، تو اورنگ زیب کے ساتھ نہ تو جے سنگھ ہوتا اور نہ ہی شیواجی کی حمایت میں مسلمان گولکنڈہ۔

اورنگ زیب کے زمانے میں مغلیہ سلطنت کی وسعت کا راز

مذکورہ بالا حکمرانوں (اکبر اور اشوک وغیرہ) سے اگر اورنگ زیب کا موازنہ نہ بھی کیا جائے تب بھی یہی آشکارا ہوتا ہے کہ تقریباً 60 سال کا طویل عرصہ جس کا تعلق اورنگ زیب کی حیات، اس کے کردار اور کارگزاریوں سے ہے بجائے خود ہندوستان کی تاریخ قرار پاتا ہے۔ پچاس سال تک (1658ء تا 1707ء) وہ حکومت کرتا رہا۔ اس کے عہد میں مغل سلطنت کی

وسعت اپنی آخری حدود تک پہنچ گئی تھی۔ عہد قدیم سے انگریزوں کی حکومت قائم ہونے تک ہندوستان میں اتنی وسیع سلطنت کا قیام کبھی نہیں ہوا۔ غزنی سے لیکر چاٹگام تک اور کشمیر سے کرناٹک تک عظیم ہندوستان ایک ہی حکمراں اورنگ زیب کے تحت تھا۔ اس سلطنت کے مختلف علاقوں کا بندوبست چھوٹے درجہ کے حکمرانوں (نوابوں یا راجاؤں) کے سپرد نہ رہ کر براہ راست بادشاہ کے تقرر شدہ عمال کے ذریعہ ہوتا تھا۔ اسی خصوصیت کی وجہ سے اورنگ زیب کے زمانہ کا ہندوستان اشوک، سمندر گپت یا ہرش کے عہد کے ہندوستان سے کہیں زیادہ وسیع اور مکمل تھا۔

اورنگ زیب کی سلطنت کی اس قدر وسعت اس کی اہلیت اور کثیر عوام کی حمایت کا نتیجہ تھی۔ اتنی وسیع سلطنت کا قیام اسی صورت میں ممکن تھا جب یہاں کی تمام قوموں کو مساوی حقوق، ذرائع اور آسانیاں حاصل ہوں۔ آپسی اختلاف رائے کے باوجود خاص معاملوں میں کبھی اختلاف نہیں رہا، اور اسی کے نتیجہ میں انگریزوں کے خلاف ہندو اور مسلمان دونوں کاندھے سے کاندھا ملا کر لڑے اور اس اتحاد نے ہتھیار کا کام دیتے ہوئے انگریزوں کے سارے منصوبوں کو ناکام بنادیا۔ اس اتحاد کی بنیاد اگر پہلی مرتبہ اشوک کے زمانہ میں اور دوسری بار اکبر کے عہد میں مضبوط ہوئی تو اورنگ زیب کے ہندوستان میں پوری طرح ابھر کر اپنی انتہا کے آخری مرحلے تک پہنچ گئی۔

اورنگ زیب کی لڑائیاں کسی قوم یا فرقہ کے خلاف نہیں تھیں بلکہ ان سب کا مقصد اپنی حکومت کا استحکام تھا

اورنگ زیب کے زمانے میں جتنی لڑائیاں ہوئیں وہ کسی قوم یا فرقہ کے خلاف نہیں، بلکہ حکومت کو مضبوط بنانے کے مقصد سے لڑی گئیں۔ اگر مذہب یا کسی مخصوص قوم کو دھیان میں رکھتے ہوئے لڑائیاں لڑی جاتیں تو اورنگ زیب مسلم ریاست گول کنڈہ اور بیجاپور کی حکومتوں پر کبھی حملہ نہ کرتا۔

اسی ذیل میں ستیش چندر بتاتے ہیں کہ گول کنڈہ پر حملہ کرنے کے سلسلہ میں قاضی القضاۃ سے اورنگ زیب نے فتویٰ مانگا تو اس نے بتایا کہ اسلام کی رو سے ایک مسلم سلطنت پر حملہ نہیں کیا جاسکتا اس لئے کہ تمام مسلمان ایک ہیں۔ اس پر اورنگ زیب نے قاضی دربار کو معزول کر کے ایک دوسرے صاحب علم قاضی کا تقرر کیا جس نے دشمن مسلم حکومت پر حملہ کرنے کو درست قرار دیا۔ چنانچہ یہ واقعہ بھی اورنگ زیب کے غیر جانبدارانہ خیالات کو ظاہر کرتا ہے۔

مفاد پرستی پر مبنی تاریخ نگاری کے کرشمے

بی۔این۔ پانڈے کے الفاظ میں ''عدم اتحاد'' علیحدگی پسندی اور انتشار کو زیادہ اور زیادہ گہرائی کے ساتھ دیکھا جائے تو اس ملک کے مختلف فرقوں کے درمیان مذہبی جذبات کو بھڑکانا ایک اہم ہتھیار بن چکا ہے۔ یہی غلط انداز فکر دیکھتے ہی دیکھتے مختلف ڈراونی صورتیں اختیار کرلیتا ہے۔ ان میں سے ایک صورت ''ہندوستان کی تاریخ نگاری'' ہے جس میں دونوں طرف کے تخریب پسند عناصر تاریخی حقائق اور اس کی رفتار کی شکل اس طرح مسخ کردیتے ہیں کہ ان تحریروں کے ذریعہ ان کے تصورات کو ایک جیتا جاگتا قالب مل سکے۔

ہمارے اسکولوں اور کالجوں میں ہندوستانی تاریخ کی کتابیں ایک زمانہ سے پڑھائی جارہی ہیں۔ ان کا اصل خاکہ یورپی مصنفوں کا ترتیب دیا ہوا ہے ہم ابھی تک فرقہ واریت اور جانبداری کے اس بوجھ کو اتار پھینکنے میں کامیاب نہیں ہوسکے جو یورپی اسکالروں نے ہمارے دماغوں میں

بھر دیا ہے۔ تاریخ کہلائی جانے والی ان کتابوں نے قارئین کے ذہنوں کو بری طرح متاثر کیا اور قومی زندگی کے ذرائع کو منتشر کر دیا۔ انہوں نے مسلمانوں کو ہندو تہذیب اور رسم و رواج کو تباہ کرنے اور ہندو مندروں اور محلوں کو منہدم کرنے والے ایسے بد دماغ بت شکنوں کی شکل میں پیش کیا ہے جو مصیبت زدہ ہندوؤں کو اسلام قبول کرنے یا تلوار سے گردن کٹا دینے پر مجبور کرتے تھے۔

ان حالات میں یہ دیکھ کر تعجب نہیں ہوتا کہ ہندوستان کے تعلیم یافتہ لوگ بچپن سے ہی اس زہر کو پی پی کر ایک دوسرے کے بارے میں شکوک و شبہات میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔ ہندوؤں کو یہ باور کرایا جاتا ہے کہ ہندوستان کی تاریخ کا مسلم دور جو آٹھ سو سال سے بھی زیادہ مدت پر محیط ہے۔ ایک بدترین خواب ہے۔ ایک عام قاری کسی طرح بھی اس زمانہ پر کوئی فخر محسوس نہیں کرتا بلکہ اس طویل درمیانی مدت کو نظر انداز کر کے اس سے قبل کے سنہرے زمانہ کی خیالی تصویر بنانے لگتا ہے۔ دوسری طرف مسلمان انگریز کے ہاتھوں ہوئی مسلم حکومت کی شکست کی وجہ سے ہندوؤں کو منافق سمجھ کر خود اپنی ذات کو ان کارناموں سے مطمئن کرتا ہے، جب اسی کی طرح کے دوسرے مسلمانوں نے یہاں فتح کا جھنڈا نصب کیا تھا، مگر وہ اس بعید ماضی کو بھول جاتا ہے جس نے اس کے تہذیبی نقش و نگار میں رنگ آمیزی کی اور اگر اس پر وہ فخر کرے تو اس کا فخر کرنا بالکل درست ہوگا۔

انگریز مورخین کے عیارانہ اجتہادات و استنباطات

انگریز مورخین نے اس انداز فکر کا فائدہ کس طرح اٹھایا، اس کی وضاحت مندرجہ ذیل جملوں سے ہوگی جو سر ایچ۔ایم۔ایلیٹ کی معروف کتاب ''ہسٹری آف انڈیا ایز ٹولڈ بائی اٹس اون ہسٹوریَنس کی پہلی جلد کے دیباچے میں پڑھنے کو ملتے ہیں:

''ہمارے یہ تمام بادشاہ سیاہ کارناموں میں غرق نظر آتے ہیں۔ ایسے حکمرانوں کے زیر اثر کسی استعجاب کی گنجائش نہیں اگر ان کے قانون کے فوارے منتشر ہیں۔ سرکاری آمدنی (وصولیابی) تشدد اور ماردھاڑ کے بغیر کبھی وصول نہیں کی جاتی۔ گاؤں کے گاؤں جلا دیئے جاتے، اور وہاں کے ساکنوں کے ہاتھ پیر توڑ دیئے جاتے یا انہیں غلام بنا کر فروخت کر دیا جاتا۔ سرکاری عمال رعایا کو تحفظ دینے کے بجائے خود سب سے بڑے لٹیرے اور ڈکیت بنے ہوئے ہیں اور ظالموں کے ظلم کے خلاف غریبوں کو کوئی انصاف نہیں ملتا۔''

اس ایک ہی جلد کے مختصر سے گوشہ میں بھی ہمیں یہی جھلکیاں نظر آتی ہیں کہ مسلمانوں سے برسرِ پیکار ہندوؤں کا قتل پر قتل ہو رہا ہے۔ ان کے مذہبی جلوسوں پر، پوجا اور اشنان کرنے پر پابندیاں عائد ہیں۔ مورتیاں توڑی جا رہی ہیں، مندر گرائے جا رہے ہیں۔ زبردستی مذہب کی تبدیلی اور شادیاں ہو رہی ہیں۔ شخصی جائداد ضبط کی جا رہی ہے۔ ان تمام لوگوں کے پس منظر میں ان ظالم حکمرانوں کی قتل و غارت گری، جبر و تشدد اور سفاکی، عیاشی اور نشہ خوری سے واضح ہوتا جاتا ہے کہ ان کی جو تصویر ہمارے سامنے آتی ہے وہ بے بنیاد نہیں ہے۔ (بی۔این۔پانڈے ''اسلام اینڈ انڈین کلچر'' ۱۹۸۵ء ص ۵۔۳۳)

● [انگریزوں کا طرز استدلال عام طور پر ایسا ہی ہوتا ہے کہ وہ ادھر ادھر کے اینٹ اور روڑوں سے بھان متی کا کنبہ جوڑ لیتے ہیں اور اپنے بے رحم مفادات کے لئے افکار میں زہر گھول دیتے ہیں۔]

❖ ❖ ❖

ملی مسائل

طلاق ثلاثہ پر حکومت کا بل اور ہمارا موقف

سرفراز فیضی : داعی صوبائی جمعیت اہل حدیث، ممبئی

مسلم خواتین کے حقوق نکاح کا تحفظ The Muslim Women Protection of Rights on Marriage) Bill, 2017) کے نام سے ۲۸ دسمبر، ۲۰۱۷ کو وزیر برائے قانون وانصاف، مسٹر روی شنکر پرساد کے ذریعہ لوک سبھا میں پیش کیا گیا، یہ بل پارلیمنٹ میں بغیر کسی بڑی مخالفت کے پاس کر دیا گیا، اب اس بل پر راجیہ سبھا میں بحث جاری ہے، اس بل میں پاس کیے گئے قانون کے مطابق:

1) طلاق بدعت یا ایسی طلاق جو فوری ہو اور جس میں رجوع کی گنجائش نہ ہو کالعدم مانی جائے گی۔

2) ایسی فوری طلاق جس میں رجوع کی گنجائش نہ ہو قابل دست اندازی جرم اور نا قابل ضمانت جرم سمجھی جائے گی۔

3) عورت جسے طلاق بدعت دی گئی ہوگی اس کا اور اس کے بچوں کے نان ونفقہ کا ذمہ شوہر ہی کے ذمہ ہوگا، جس کے مقدار کی تعیین فرسٹ کلاس مجسٹریٹ کرے گا۔

4) ایسی عورت کو اپنے نابالغ بچوں کی کسٹڈی ملے گی اور اس کی صورت اور شرائط کی تعیین بھی فرسٹ کلاس مجسٹریٹ کے ذمے ہوگی۔

اس بل کے متعلق ہمارا موقف ہے کہ:

1) یہ بل مسلمانوں کے مذہبی معاملات میں ریاست کی صریح مداخلت اور ملک کے مسلمانوں کو دی گئی مذہبی آزادی کے خلاف ہے۔ نکاح اور طلاق کا معاملہ کسی عورت کے حلال اور حرام ہونے سے متعلق ہے۔ اور ایک مسلمان کے لیے حلّت اور حرمت جاننے کا واحد مصدر شریعت ہے۔ لہذا تین طلاق کا معاملہ بھی شریعت ہی کا حصّہ ہے۔ اس معاملہ میں ریاست کی دخل اندازی مسلمانوں کو دستور میں دی گئی مذہبی آزادی کے صریح خلاف ہے۔

2) بل میں ایک وقت میں دی گئی تین طلاق کو کالعدم قرار دیا گیا ہے جبکہ ملک کے تمام مسالک متفقہ طور پر ایک وقت میں دی گئی تین طلاقوں میں کم از کم ایک کے وقوع کے قائل ہیں۔

3) بل میں فوری طور پر واقع ہونے والی نا قابل منسوخ طلاق کو جرم قرار دیا گیا ہے جس کے بعد رجوع کی کوئی گنجائش نہ بچی ہو۔ اس عموم کا اطلاق اکٹھی دی گئی تین طلاقوں کے علاوہ الگ الگ مجلسوں میں دی گئی دو طلاقوں کے بعد دی گئی تیسری طلاق پر بھی ہوگا جسے طلاق بائن کہا جاتا ہے، طلاق بائن کے نا قابل منسوخ ہونے پر تمام مسالک کا اجماع ہے اور اس کو جرم قرار دینا شریعت کی صریح خلاف ورزی ہے۔

4) طلاق اور نکاح کا معاملہ ریاست کے جبر کا معاملہ نہیں ہے، ان معاملات میں ریاست کی مداخلت سے معاشرے میں شدید کنفیوزن اور تضاد پھیلے گا، مسلمانوں کے لیے نکاح اور طلاق کا معاملہ خالص مذہبی معاملہ ہے، ایک مسلمان ایجاب اور قبول کے ساتھ ایک عورت کو اپنے لیے حلال کرتا ہے اور طلاق دے کر اپنے اوپر حرام کرتا ہے، اس کے لیے شریعت ہی حلت اور حرمت کا یقین حاصل کرنے کا واحد مصدر ہے، اگر ریاست کا قانون شریعت کے احکام کے خلاف ہوگا تو رشتے بے یقینی کی کیفیت کے شکار ہو جائیں گے اور یہ بے یقینی صرف میاں بیوی کے رشتے تک محدود نہیں رہے گی، اس کا اثر نکاح سے جڑے دیگر رشتوں پر بھی بہت شدید ہوگا، طلاق دینے والے مرد کی نظر میں ریاست کے قانون کے اعتبار سے تو مطلقہ عورت اس کی بیوی ہے لیکن

شرعی قوانین کے مطابق اس کی بیوی نہیں ہے، خود کسی عورت کے لیے بھی یہ صورت حال تشویشناک ہے کہ جس مرد کے ساتھ رہ رہی ہے شرعی حیثیت سے اس کی بیوی نہیں ہے لیکن ریاست کا قانون اس کو اس شخص کی بیوی مانتا ہے۔

رشتوں کے یقین کے ساتھ ہی خاندان کے افراد کے حقوق اور ذمہ داریوں کا تعین ہوتا ہے، اگر رشتے بے یقینی کی کیفیت کا شکار ہوں گے تو حقوق اور ذمہ داریوں کی ادائیگی میں بھی توازن نہیں رہ پائے گا جس سے معاشرہ شدید ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوگا۔ اس لیے اگر شرعی اعتبار سے کوئی شخص یکبارگی تین طلاق کو تین ہی تسلیم کرتا ہے تو ریاست کا اس کو بھی تین طلاق ایک ماننے پر مجبور کرنا کھلی زیادتی ہے اس معاملہ میں حکومت کو دخل اندازی نہیں کرنی چاہیے، مذہبی رہنماؤں کو آمادہ کیا جانا چاہیے کہ وہ شریعت کے اصولوں اور فقہ اسلامی کی بنیادوں کے مطابق اس مسئلہ کا حل تلاش کریں۔

5) نکاح کا رشتہ آپسی اعتماد اور رضامندی کا رشتہ ہے بغیر اعتماد و رضامندی کے یہ رشتہ کامیاب نہیں ہوسکتا ہے، اگر فریقین میں سے کوئی ایک کسی وجہ سے اس رشتے سے منسلک نہیں رہنا چاہتا تو شریعت نے اس کو احسان اور بھلائی کے ساتھ الگ ہوجانے کے لیے طلاق اور خلع کا اختیار دیا ہے، اگر میاں بیوی میں سے کوئی اس رشتے کے ساتھ منسلک نہیں رہنا چاہتا تو قانونی جبر کے ذریعہ ان کو ساتھ رہنے پر مجبور کرنا زیادتی ہے جس کے معاشرے پر بہت سنگین نقصانات مرتب ہوں گے۔

6) بل کو خواتین کے تحفظ کا نام دیا گیا ہے، لیکن معاشرے میں عورت کی حیثیت محض بیوی کی نہیں ہوتی، جس شخص کو اکٹھی تین طلاق کے جرم میں جیل بھیجا جائے گا اس کی ماں، بہن اور بیٹیاں بھی عورت ہیں، قانون سازی کے وقت ان کے تحفظ کو کیوں نظر انداز کر دیا گیا؟

7) خود تین طلاق کا الزام لگانے کے بعد جو عورت اپنے شوہر کو تین سال کے لیے جیل بھیج دے گی اس کے مستقبل کا کیا ہوگا؟ کیا وہ تین سال جیل کی سزا دلانے کے بعد دوبارہ اسی شوہر کے ساتھ زندگی گذار سکے گی؟ شوہر جیل میں رہتے ہوئے بچوں کی کفالت کیسے کرے گا؟ ہمارے معاشرے میں مطلقہ خواتین کی شادی ویسے ہی مشکل ہے۔ ایسی خاتون کو کون اپنے نکاح میں قبول کرے گا جو مطلقہ بھی ہو اور جس پر اپنے سابق شوہر کو جیل بھیجنے کا داغ بھی لگا ہو؟

8) ملک اس وقت سنگین حالات سے گذر رہا ہے۔ فرقہ پرستی کا زہر تیزی سے پھیل رہا ہے، اقلیتیں خوف زدہ ہیں کہ ان کی جان و مال غیر محفوظ ہیں، معیشت تیزی کے ساتھ رو بہ زوال ہے۔ حکومت ان مسائل سے عوام کی توجہ ہٹانے کے لیے تین طلاق کے مسئلے کو ڈھال کی طرح استعمال کر رہی ہے، ایک مذہبی معاملہ کا ایسا سیاسی استحصال انتہائی قابل مذمت ہے۔

9) آزادی اور مساوات جیسے فلسفے کوئی واضح تصور نہیں رکھتے۔ ان کی کوئی متعین تعریف نہیں۔ دنیا کے کسی معاشرہ میں آزادی اور مساوات علی الاطلاق رائج نہیں۔ لہٰذا ان کی بنیاد پر اسلامی احکام کا تجزیہ نہیں کیا جاسکتا۔ نہ ہی آزادی اور مساوات کی خود ساختہ تعریف کی بنیاد پر ثابت شدہ اسلامی احکام تبدیل کیے جاسکتے ہیں۔

10) آزادی اور مساوات کے موجودہ معروف تصورات مغرب کی ایجاد کردہ ہیں۔ مغرب میں کیونکہ مذہب ایک زمانہ تک خونریزی کی بنیاد بنا رہا ہے اس لیے وہاں قانون سازی کا عمل مذہب کو برطرف کر کے خالص عقلی بنیادوں پر کیا گیا۔ خود عیسائی مذہب میں کیونکہ خاص فقہ اور احکام کی پابندی کا تصور نہیں اس لیے خالص عقلی بنیادوں پر قانون سازی ان کے لیے کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ ہندستان کا معاملہ قطعی مختلف ہے۔ یہاں مذہب کی جڑیں مغرب کے بالمقابل بہت مضبوط ہیں۔ لہٰذا یہاں مغربی قدروں کی بنیاد پر مذہب کو درکنار کر کے قانون سازی کرنا درست نہیں۔

❖ ❖ ❖

آئینۂ جمعیت وجماعت

ملک میں بڑھتی ہوئی فرقہ پرستی کی لعنت اور کمزوروں پر مظالم کے نت نئے طریقوں پر صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی کے اجلاس مجلس شوریٰ میں اظہار تشویش

دفتر صوبائی جمعیت

بتاریخ ۲۴؍دسمبر بروز اتوار بعد نماز عصر بمقام مسجد اہل حدیث کا پڑیا نگر کرلا ممبئی صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی کی مجلس شوریٰ کا اہم اجلاس زیر صدارت مولانا عبدالسلام سلفی امیر صوبائی جمعیت منعقد ہوا جس میں متعدد جماعتی، تنظیمی، ملی اور ملکی مسائل پر تبادلۂ خیال اور غور وخوض کے بعد اہم ترین فیصلے کئے گئے۔

مجلس میں سیلاب زدگان کے متعلق امدادی کارروائیوں کی تفصیل بھی پیش کی گئی تھی جسے اراکین نے کافی سراہا تھا، صوبائی جمعیت کے زیر اہتمام ۷؍جنوری ۲۰۱۸ء کو صوفی عبدالرحمان گراؤنڈ (جھولا میدان) بائیکلہ میں منعقد ہونے والی پیغام حق کانفرنس سے متعلق روشنی ڈالتے ہوئے مولانا عبدالسلام صاحب سلفی نے فرمایا کہ جہاں یہ کانفرنس مسلمانوں کو قرآن وسنت کی تعلیمات اور ہدایات کی طرف رجوع کی دعوت دے گی اور مسلمانوں سے اپنی روش کو بدلتے ہوئے حالات کے رخ کو سمجھنے کی اپیل کرے گی وہیں اس کا مقصد ملک میں بڑھتی ہوئی فرقہ پرستی کی لعنت اور کمزوروں پر مظالم کے نت نئے طریقوں کے متعلق ملک کے سنجیدہ طبقات اور سیکولر ذہن کے حامل تمام لوگوں کو غور وفکر اور ان کے خاتمے کے لئے مناسب اقدامات کی دعوت بھی دے گی جو ملکی اتحاد اور تعمیر وترقی اور خوشحالی کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ اور مستقبل میں تشویشناک حالات پیدا کرنے کا سبب بن سکتے ہیں۔ اجلاس نے صدر امریکا کی جانب سے قدس کو اسرائیل کی راجدھانی بنائے جانے کی منظوری اور اعلان کو غیر منصفانہ نیز عالمی امن کے لئے ایک غیر دانشمندانہ قدم ٹھہراتے ہوئے اس فیصلے کو واپس لینے کا مطالبہ کیا ہے۔ اور فلسطینی قوم کے ساتھ ہمدردی اور یگانگت کا اظہار کرتے ہوئے ان کے لئے امن اور سلامتی کی دعا کی ہے۔ تین طلاق کے مسئلے میں حکومت کی جانب سے تیار کردہ بل کے متعلق تبادلۂ خیال کرتے ہوئے حکومت سے اپیل کی گئی کہ وہ مسلم علماء اور اکابرین ملت سے مشورہ اور تفاہم کے بغیر اسے پارلیمنٹ میں پیش نہ کرے اور مسلمانوں کے جذبات کا خیال رکھتے ہوئے انہیں ان کے دستوری حقوق سے محروم نہ کرے۔ اور گئوکشی کے نام پر ہونے والے تشدد اور ظلم پر سنجیدگی کے ساتھ روک لگائے جو آئے دن بڑھتا ہی جارہا ہے۔ اور بے لگام ہوتی ہوئی فرقہ پرستانہ ذہنیت کے خاتمے کے لئے جو ملکی سلامتی اور نظم وضبط کے لئے صحت مندی کی علامت نہیں ہے ٹھوس قدم اٹھائے اجلاس میں مسلمانوں سے اپیل کی گئی کہ وہ طلاق وغیرہ کے مسئلے میں قرآن وسنت کی تعلیمات کی پابندی کریں اور ربانی ہدایات کو نظر انداز کرنے سے گریز کریں کیونکہ اس کی وجہ سے رسوائی کا سامان ہوتا ہے نیز یہ بھی اپیل کی گئی کہ وہ متحد اور ایک آواز ہوکر حالات کا مقابلہ کریں اور ملک میں جمہوری اقدار کی بحالی اور ان کے فروغ کے لئے بھرپور جدوجہد کریں جو وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔ اجلاس میں یمن کے حوثی باغیوں کی جانب سے ریاض سعودی عرب پر کئے جانے والے میزائل حملوں کی بھی مذمت کی گئی۔

مجلس کا اختتام بزرگ عالم دین جناب مولانا الطاف حسین فیضی کے ناصحانہ اور دعائیہ کلمات پر ہوا جن میں انھوں نے ملک کی سالمیت وخوشحالی، عالم اسلام کی مظلومیت کے خاتمے اور مسلم اتحاد کے لئے خصوصی دعائیں کیں اور جماعت کے افراد کو اپنا ذمہ دارانہ کردار ادا کرنے کے لئے آگے آنے کی اپیل کی۔ اجلاس میں معزز اراکین شوریٰ کے علاوہ اعیان جماعت کی بھی ایک خاصی تعداد موجود تھی جنھوں نے ہر طرح کے تنظیمی اور جماعتی منصوبوں کی تکمیل میں ذمہ داران جمعیت کے قدم بہ قدم ہونے کی اور ان کے ساتھ بھرپور تعاون کی یقین دہانی کرائی۔

جماعتی خبریں

دفتر صوبائی جمعیت

صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی کے ذمہ داران ودعاۃ کی دعوتی سرگرمیاں:

شیخ عبد السلام سلفی حفظہ اللہ (امیر صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئ) نے راجستھان کا مختصر دورہ کیا، جس میں 2/دسمبر کو راجستھان کے مشہور علاقہ ٹونک میں آپ کی تقریر ہوئی، آپ کی صدارت میں 10/دسمبر کو مسجد اہل حدیث کاشی میرا (میرا روڈ) میں ایک دینی اجلاس رکھا گیا، جس میں آپ کا پرمغز صدارتی خطاب ہوا اور 17/دسمبر کو مسجد اہل حدیث پانگولی، ضلع رائے گڑھ میں آپ کا پروگرام ہوا۔

شیخ محمد مقیم فیضی حفظہ اللہ (نائب امیر صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئ) کی صدارت میں 3/دسمبر کو مسجد اہل حدیث اشوک نگر میں ایک جلسہ رکھا گیا، جس میں آپ کا پُراثر صدارتی خطاب بعنوان" حالات حاضرہ میں مسلمانوں کی ذمہ داریاں" ہوا اور 8/دسمبر کو ملکہ مسجد، بھیونڈی میں" محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم" کے موضوع پر آپ نے تقریر کی۔

شیخ عنایت اللہ سنابلی مدنی حفظہ اللہ کا 3/نومبر کو مسجد اہل حدیث سوچک ناکہ، کلیان میں خطاب ہوا، 5/نومبر کو اُتّن، بھیندر، ضلع پالگھر کی مسجد اہل حدیث میں تقریر کی، 10/نومبر کو مسجد توحید، بھیونڈی میں آپ کا بیان ہوا، 11/12/13 نومبر کی تاریخوں میں آپ نے وانم باڑی، تمل ناڈو، چینئی کا دعوتی سفر کیا، جس میں مختلف مقامات پر آپ کے تقریباً 11 تقاریر ودروس ہوئے، 14/نومبر کو مسجد خلیل اللہ بنگلور میں آپ کا خطاب ہوا، 19/نومبر کو جمعیت اہل حدیث اورنگ آباد کے زیرِ اہتمام اورنگ آباد میں" شرح کشف الشبهات" پر آپ کا درس ہوا، 26/نومبر کو مسجد اہل حدیث لوٹس، گوونڈی میں آپ نے تقریر کی، 2/دسمبر کو امیر محترم کے ساتھ آپ راجستھان کے سفر میں تھے، لہٰذا 2/دسمبر کو ٹونک میں آپ کا خطاب ہوا، 8/دسمبر کو مسجد اہل حدیث نالاسوپارہ (دھانو باغ) میں آپ کا پروگرام ہوا، 10/دسمبر کو مسجد اہل حدیث کاشی میرا (میرا روڈ) میں آپ نے تقریر کی، 16/دسمبر کو صحیح بخاری سے آپ نے "کتاب الاعتصام" کی شرح کی، 24/دسمبر کو اورنگ آباد میں" شرح کشف الشبهات" پر آپ کا درس ہوا، 25/دسمبر کو مسجد اہل حدیث نیرُل میں بعد صلوٰۃ عصر" 31 دسمبر اور اس کی خرافات" کے موضوع پر آپ کی تقریر ہوئی اور بعد نمازِ مغرب اسی مسجد میں " عمرہ کا طریقہ" پر آپ نے تفصیلی روشنی ڈالی، نیز 30/دسمبر کو مسجد توحید باندرہ میں" دینی مجالس سے دوری کے نقصانات" کے موضوع پر آپ کا خطاب ہوا۔

شیخ کمال الدین سنابلی حفظہ اللہ کا 4/نومبر کو مسجد عمر فاروق، نارائن نگر، گھاٹ کوپر میں خطاب ہوا، 7/نومبر کو اشوک نگر، سُندر باغ، کرلا میں" اتحاد ملت کانفرنس" میں" محبت رسول

صلی اللہ علیہ وسلم" کے موضوع پر آپ کا بیان ہوا، 12/نومبر کو مسجد اہل حدیث کاشی میرا (میرا روڈ) میں آپ نے تقریر کی، 19/نومبر کو مسجد اہل حدیث نیرُل میں" جنت کا راستہ" کے موضوع پر آپ نے تقریر کی، 25/نومبر کو مسجد عمر فاروق، نارائن نگر، گھاٹ کوپر میں آپ کا پروگرام ہوا، 26/نومبر کو مسجد اہل حدیث پوئی کے باہر منعقدہ پروگرام میں آپ کا خطاب ہوا، 28/نومبر کو مسجد اہل حدیث کالینا میں آپ کی تقریر ہوئی، 1/دسمبر کو مسجد اہل حدیث الہاس نگر 3۔نمبر میں آپ نے تقریر کی، 3/دسمبر کو مسجد اہل حدیث دھاراوی، ماہم میں آپ کا پروگرام ہوا، 6/دسمبر کو البر فاؤنڈیشن کی آفس (میرا روڈ) میں "محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق" کے موضوع پر آپ نے خطاب کیا، 8/9/10 دسمبر کی تاریخوں میں آپ نے کوکن کا دعوتی سفر کیا، جہاں آپ نے مرکز الدعوۃ الاسلامیہ والخیریہ کھیڈ میں 8/دسمبر کو جمعہ پڑھایا، 9/دسمبر کو ڈابولی میں تقریر کی، 10/دسمبر کو مرکز الدعوۃ الاسلامیہ والخیریہ کھیڈ میں بعد نمازِ فجر درس دیا اور 10/دسمبر ہی کو مرکز الدعوۃ الاسلامیہ والخیریہ میں ضلعی جمعیت اہل حدیث رتنا گیری کے زیرِ اہتمام منعقد ہونے والے پروگرام میں" محمد رسول اللہ کا معنی ومفہوم اور تقاضے" کے موضوع پر خطاب کیا، نیز 23/دسمبر کو مسجد اہل حدیث چیمبور میں آپ کا خطاب ہوا اور 30/دسمبر کو مسجد اہل حدیث دہیسر میں تقریر کی۔

شیخ سرفراز فیضی حفظہ اللہ نے 8/9/10 دسمبر کی تاریخوں میں کوکن کا دعوتی سفر کیا، جہاں 8/دسمبر کو آپ نے چپلون میں جمعہ پڑھایا، 9/دسمبر کو مرکز الدعوۃ الاسلامیہ والخیریہ کھیڈ میں بعد نماز فجر درس دیا، 9/دسمبر کو دوپہر میں فرارے میں درس دیا اور 9/دسمبر ہی کو ڈابولی میں تقریر کی، نیز 10/دسمبر کو مرکز الدعوۃ الاسلامیہ والخیریہ کھیڈ میں ضلعی جمعیت اہل حدیث رتنا گیری کے زیرِ اہتمام منعقد ہونے والے پروگرام میں" لا الہ الا اللہ کا معنی ومفہوم اور تقاضے" کے موضوع پر خطاب کیا۔

❖ ❖ ❖

شیخ الحدیث مولانا محمد یونس اثری رحمہ اللہ کی رحلت

جامعہ دار الہدی یوسف پور (سدھارتھ نگر) اور جامعہ ریاض العلوم (دہلی) کے سابق استاذ، بزرگ عالم دین، شیخ الحدیث مولانا ڈاکٹر محمد یونس بن عبدالحمید اثری کا طویل علالت کے بعد 27 دسمبر کو بوقت سحر انتقال ہوگیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

شیخ کی خدمات کا اعتراف پوری جماعت کو ہے، آپ نے جامعہ ہمدرد یونیورسٹی سے بی یو ایم ایس کیا تھا، بی یو ایم ایس یعنی ڈاکٹری لائن کا مطلب یہ ہے کہ اگر آپ کو صرف مال وزر سے محبت ہوتی تو آپ ڈاکٹری لائن میں اچھا کما لیتے لیکن اس کے باوجود آپ نے میدان تدریس چنا، آپ نے دہلی کے مشہور ادارہ جامعہ ریاض العلوم اور جامعہ دار الہدی سدھارتھ نگر میں تدریسی خدمات انجام دیں، نیز فراغت کے معاً بعد دو سال تک جامعہ اثریہ دار الحدیث مئو میں بھی تدریسی خدمات انجام دیں۔

آپ کی نماز جنازہ آپ کے رہائشی گاؤں موضع مدھوبنی شیو پتی نگر سدھارتھ نگر میں ادا کی گئی اور وہیں تدفین عمل میں آئی، موصوف نے تقریباً 80 سال کی عمر پائی۔

ممبئی کی صوبائی جمعیت مرحوم کے لیے دعا گو ہے کہ رب کریم آپ کو جنت الفردوس میں اعلی مقام عطا فرمائے، آپ کی لغزشوں کو معاف فرمائے اور آپ کے پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے (آمین)

Special Issue "AL-JAMAAH" Mumbai
January 2018

A1 Grafix Studio : +91-9819189965

Published by :

SUBAI JAMIAT AHLE HADEES, MUMBAI

14/15, Chuna Wala Compound, Opp. Best Bus Depot, L.B.S. Marg, Kurla (W), Mumbai - 70.
Phone : 022-26520077 / Fax : 022-26520066 • ahlehadeesmumbai@gmail.com
@JamiatSubai subaijamiatahlehadeesmum SubaiJamiatAhleHadeesMumbai
www.ahlehadeesmumbai.org • aljamaahmonthly@gmail.com